’’فضائل اعمال‘‘ پر اعتراضات - ایک اصولی جائزہ

تمہید

حامداً و مصلیاً: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ کی شہرۂ آفاق ومقبول ترین کتاب ’’مجموعۂ فضائل اعمال‘ محتاج تعارف نہیں ہے، نوقیمتی کتابوں (حکایات صحابہ، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل قرآن مجید، فضائل رمضان، فضائل درود شریف، فضائل صدقات، فضائل حج) کا یہ مجموعہ ایک گنجینۂ علم معرفت اور مرقع درس عبرت ہے، دلوں میں شریعت مقدسہ اور اس کے احکام کی عظمت کا سکہ بٹھانے میں ایک لاجواب کتاب ہے، دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے والے ہر عالم وغیر عالم کے ہاتھ میں ایک روشن قندیل ہے، جس کے روشنی میں راستہ کے نشیب وفراز سے باخبر ہوکر دعوتی سفر تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا جاسکتا ہے؛ بالخصوص ایک عالم اور صاحب تحقیق کو تو اس کتاب کے ذریعہ متعلقہ مضامین پر نصوص قرآن وحدیث اور اقوال وآثار کا ایک وافر مواد ہاتھ آجانے کے علاوہ مشکل نصوص کے سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے، کتاب کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف نہ جانے اخلاص وللّٰہیت کی کس چاشنی میں ڈبویا ہوا ہے کہ جس نے بھی ایک بار چکھا دلدادہ وگرویدہ ہوئے بغیر نہ رہا، اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس کتاب نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کردیا اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ:

> ’’ان (کتب فضائل) سے جو دینی وعملی نفع پہنچا اس کے بارے میں ایک ممتاز معاصر عالم کا یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ ان کتابوں کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہنچ گئے‘‘۔ (ایک عالمی وبین الاقوامی کتاب فضائل اعمال)

آخر تو کوئی وجہ ہے کہ نواعمال کے فضائل پر مشتمل یہ مجموعہ:

۱- آج دنیا کی اکتیس زبانوں میں اس کے ترجمے ہوچکے ہیں۔

۲- سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ازبکستان، برما، ملیشیا، انڈونیشیا، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ، کناڈا، ترکی، جاپان، زامبیا، سری لنکا، فرانس، فلپائن، کمبوڈیا، کینیا، پرتگال، جیسے تیئس ممالک کے ایک سو پینتالیس محققین اور اہل علم ’’فضائل اعمال‘‘ کی علمی، وتحقیقی خدمت اور اس کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنے میں مصروف کار ہیں۔ (ایضاً ص:۲۱)

۳- صرف ہندوپاک کی حد تک چوہتر (۷۴) اشاعتی ادارے اس کتاب کو مسلسل شایع کررہے ہیں۔

۴- اس لیے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے نسخوں کی مجموعی تعداد کروڑوں کیا شمار سے باہر ہے۔

کتب فضائل پر ایک تاریخی نظر:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی اس کتاب کا موضوع کوئی نیا نہیں، بلکہ عام کتب حدیث کے علاوہ مستقل طور سے دوسری صدی ہجری (جب کہ حدیث نبوی کی باضابطہ تدوین ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی) میں آداب واخلاق، زہدورقاق، اور فضائل وترغیب پر تصنیف کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور آج تک قائم ہے، کچھ تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱- كتاب الزهد للإمام عبدالله بن المبارك (ت ۱۸۱هـ).

۲- فضائل القرآن للإمام الشافعي (ت ۲۰٤هـ).

۳- فضائل القرآن لأبي عبيد (ت ۲۲٤هـ).

٤- كتاب الزهد للإمام أحمد بن حنبل (ت ۲٤۱هـ).

٥- الأدب المفرد للإمام البخاري (ت ۲٥٦هـ).

٦،۷،۸- كتاب الآداب، كتاب الزهد، وفضائل الأوقات للإمام البيهقي (ت٤٥۸هـ).

۹- الترغيب والترهيب لابن شاهين (۳۸٥هـ).

۱۰- الترغيب والترهيب لأبي القاسم إسماعيل بن محمد الأصفهاني (ت ٥۳٥هـ).

۱۱- الترغيب و الترهيب للحافظ عبد العظيم بن عبد القوي المنذري (ت ٦٥٦هـ).

اذکار اور دعاؤں میں:

۱۲- عمل اليوم والليلة للنسائي (ت ۳۰۳هـ).

۱۳- عمل اليوم والليلة لابن السني (ت ۳٦٤).

۱٤- كتاب الدعاء للطبراني (ت ۳٦۰هـ)

۱٥- الدعوات الكبير للبيهقي، الأذكار للنووي (ت٦۷٦هـ)

درود شریف اور اس کے مخصوص صیغوں کے فضائل پر حافظ شمس الدین سخاوی (ت۹۰۲ھ) کی ’’القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع‘‘ وغیرہ زیادہ مشہور رہیں۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مجموعہ ’’فضائل اعمال‘‘ ہے، جو اردو زبان میں اپنی جامعیت اور شرح وبسط کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

مجموعہ فضائل اعمال کی تالیف:

یہ پوری کتاب جو ’’تبلیغی نصاب‘‘ یا ’’فضائل اعمال‘‘ کے نام سے مشہور ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کسی منظم پروگرام کے پیش نظر تالیف نہیں فرمائی ہے، بلکہ مختلف ابواب وموضوعات پر یہ مختلف کتابیں ہیں، جو مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے تقاضوں اور اصرار کے نتیجہ میں شیخ نے ترتیب دیں، ان کو جماعت تبلیغ کے ذمہ داران نے جماعتوں میں نکلنے والے احباب کی دینی تعلیم وتربیت کے واسطہ تجویز کردیا، اسی لیے اس مجموعہ کو بعض ناشرین نے ’’تبلیغی نصاب‘‘ کے نام سے شایع کردیا، بہت دنوں تک یہ نام چلتا رہا، بعد میں اصل موضوع کی رعایت سے ’’فضائل اعمال‘‘ کے نام سے طبع ہونے لگا، ۹/کتابوں کے اس مجموعے کے مفردات کی تالیف اور محرکات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱- فضائل قرآن مجید: اوائل ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی اور ۲۹/ذی الحجہ ۴۸ھ کو مکمل ہوئی، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کے ایک خلیفہ تھے شاہ یٰسین صاحب نگینوی، انھیں کے ایماء اور خواہش پر یہ کتاب تصنیف کی گئی۔

۲- فضائل رمضان: یہ کتاب حضرت نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ، بانیٔ تحریک تبلیغ کی فرمائش پر رمضان ۱۳۴۹ھ میں تالیف فرمائی، اور تکمیل ۲۷/رمضان المبارک کو ہوئی۔

۳- فضائل تبلیغ: یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر لکھی گئی اور ۵/صفر شب دوشنبہ ۱۳۵۰ھ کو پوری ہوئی، اس کی تالیف میں چند روز لگے۔

۴- حکایات صحابہؓ: صفر ۱۳۵۷ھ میں اجراڑہ جاتے ہوئے شیخ رحمہ اللہ کو میرٹھ میں شدید نکسیر پھوٹی اور تقریباً دو گھڑے خون بہہ گیا، ڈاکٹروں اور حکیموں نے آپ کو چند ماہ تک دماغی کام کرنے سے بالکل منع کردیا، ادھر تقریباً چار برس سے حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ’’حکایات صحابہ‘‘ کی تالیف کا تقاضا تھا، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اس بیماری کے زمانہ کو غنیمت سمجھ کر تعمیل ارشاد میں پڑے پڑے کچھ لکھتا رہا اور ۱۲/شوال ۵۷ھ کو پوری ہوگئی‘‘۔

۵- فضائل نماز: یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں لکھی گئی اور ۷/محرم ۱۳۵۸ھ شب دوشنبہ میں پوری ہوئی۔

۶- فضائل ذکر: یہ بھی چچا جان قدس سرہ ہی کی تعمیل ارشاد میں لکھی گئی اور ۲۶/شوال ۱۳۵۸ھ شب جمعہ میں پوری ہوئی۔

۷- فضائل حج: حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ کے شدید اصرار اور تقاضے پر یہ کتاب تالیف فرمائی۔ ۳/شوال ۱۳۶۶ھ کو اس کی ابتدا ہوئی اور ۱۴/جمادی الاولیٰ ۶۷ھ بروز جمعہ اس سے فراغت ہوئی، اصل کتاب کی تالیف مرکز نظام الدین میں ہی رہ کر ہوئی؛ کیوں کہ ۴۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کی وجہ سے شیخ کو چار ماہ مرکز نظام الدین میں محبوس ہونا پڑا تھا، شیخ فرماتے ہیں: ’’نفس رسالہ سے تو فراغت شوال ہی میں ہوگئی تھی؛ لیکن کچھ حکایات کا اضافہ سہارن پور واپسی پر ہوا‘‘، اس رسالہ کی مقبولیت وافادیت اتنی بڑھی کہ شیخ فرماتے ہیں: ’’ہزاروں خطوط اس نوع کے پہنچے کہ اس رسالہ سے حج وزیارت میں بہت لطف آیا‘‘۔

۸- فضائل صدقات: حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی جانب سے دو اور کتابوں کے لکھنے کی تاکید تھی؛ ایک فضائل زکوۃ، دوسری فضائل تجارت؛ چناں چہ فضائل حج کی تکمیل کے بعد مرکز نظام الدین ہی میں شیخ نے فضائل صدقات کی بسم اللہ کردی، جو ۲۲/صفر ۱۳۶۸ھ کو سہارن پور میں مکمل ہوئی۔

۹- فضائل درود: فضائل کے سلسلہ کا یہ آخری رسالہ ہے، اسے بھی شیخ نے شاہ یٰسین نگینوی کی فرمائش اور خواہش کی تکمیل میں رقم فرمایا، شاہ صاحب کا انتقال تو ۳۰/شوال ۱۳۶۰ھ میں ہی ہوگیا تھا؛ لیکن آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد بھی مولانا زکریا سے اس کتاب کے لکھنے کا تقاضا جاری رکھا جائے، شیخ فرماتے ہیں:

> ’’مگر بداعمالیوں نے مہلت نہ دی؛ لیکن ۱۳۸۳ھ میں مدینہ پاک حاضری پر شدت سے اس کا تقاضا شروع ہوا، واپسی پر بھی تساہل ہوتا رہا اور ۲۵/رمضان ۸۴ھ کو بسم اللہ کرہی دی اور ۶/ذی الحجہ ۸۴ھ کو دفعتاً ختم کردی‘‘۔ (آپ بیتی نمبر:۲-ص:۱۷۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کتب فضائل کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ محتاج بیان نہیں اور موافق ومخالف ہر ایک کو تسلیم ہے کہ کوئی بھی دینی کتاب اس کثرت سے نہیں پڑھی جاتی، جتنی کی یہ رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل اوپر گزرچکی ہے۔

دنیا کی ریت ہے کہ ہر پھلدار درخت پر ڈھلے مارے جاتے ہیں، سورج جو اپنی بھرپور ضیاء پاشی سے عالم کو منور کرتا ہے، شپرہ چشم کو اس کی تابانی یکسر ناقابل برداشت ہوتی ہے، چناں چہ اس کتاب پر بھی مختلف حلقوں کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی، طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی گئیں، ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ روئے زمین پر خدا کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نقص وخلل سے محفوظ نہیں، بڑے بڑے اصحاب علم سے ان کی گراں قدر تصنیفات میں کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہیں، جو کتاب کی گوناگوں خوبیوں کے بالمقابل نہ کچھ حیثیت رکھتی ہیں اور نہ ہی علمی حلقوں نے کوئی حیثیت دی ہے۔

خلاصۂ بحث

اس مقالہ میں اعتراضات کی بنیادی طور پر تین قسمیں قرار دی گئی ہیں:

۱- اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اہل علم سے رجوع کرنے پر تھوڑی بہت وضاحت سے ختم ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے یہ اشکالات مستقل موضوع بحث بنانے کے لائق نہیں، اور نہ ہی ان اشکالات کا کوئی دیرپا اثر ہوتا ہے۔

۲- وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے، جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کا قائل ہے، خواہ ثبوت واستناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو، اور خواہ علماء امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، چناں چہ اس کی کئی ایک مثالیں دے کر اختصار کے ساتھ مدلل طور سے اعتراض کو دفع کیا گیا ہے۔

۳- وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اور ان میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور یہ ہے کہ مجموعہ ’’فضائل اعمال‘‘ میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کردیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔

اس طرح کی تنقیدات کے جواب کو اصولی طور پر تین نکتوں پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱- مجموعۂ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر وماخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

۲- حدیثوں سے استدلال واستشہاد کے وقت کیا اصطلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے، یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

۳- ترغیب وترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلے نکتے میں ثابت کیا گیا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جن کتابوں اور ماخذ کی مدد سے یہ رسائل مرتب فرمائے ہیں، وہ علاوہ چند ایک کے، سب بجائے خود قابل اعتماد اور اہل علم کے درمیان مقبول ومستند قرار دی جاتی رہی ہیں اور جو ماخذ غیر مستند ہیں، ان سے استفادہ کی نوعیت بھی واضح کردی گئی ہے، جس سے فضائل اعمال کی معتبریت متاثر نہیں ہوتی۔

دوسرے نکتے میں ٹھوس دلائل کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیثوں سے استدلال کے لیے ان کا اصطلاحی اعتبار سے صحیح یا حسن ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے، باب احکام میں بھی اور فضائل، مناقب، سیر، اور ترغیب وترہیب میں بھی۔

پھر باب احکام میں اس کا اعتبار کیے جانے پر چاروں مذاہب کے فقہاء کرام، محدثین اور ظاہریہ سب کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔

باب احکام کے علاوہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے اور بیان کرنے کے جواز پر امت کا اجماع اہل علم کی عبارتوں اور ان کے طرز عمل سے ظاہر کیا گیا ہے، حتی کہ جن بڑے اہل علم کی جانب اس سلسلہ میں اختلاف منسوب کیا جاتا ہے ان کی آرا بھی جمہور کے مطابق ہیں اور اس پر مضبوط ثبوت پیش کیے گئے ہیں، مثلاً امام بخاری، مسلم، یحیٰ بن معین، ابوبکر بن عربی، ابوشامہ مقدسی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی، ان حضرات کا مذہب بھی جمہور کی طرح غیر احکام میں ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کا ہے۔

خصوصیت سے امام بخاری ومسلم کے صحیحین میں ان کے طرز عمل سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے، اور اس کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

اس ضمن میں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال وعمل کے شرائط پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اور محدثین وفقہائے امت کے طرز عمل سے واضح کیا گیا ہے کہ ضعیف حدیث کی استدلالی حیثیت پر گفتگو کے وقت فضائل اعمال کا اطلاق یہ حضرات ایسے موقع پر کرتے ہیں، جہاں کوئی مخصوص عمل کسی دلیل صحیح یا حدیث حسن سے ثابت نہ ہو، بلکہ صرف کسی ضعیف حدیث میں اس کی فضیلت یا ترغیب وارد ہوئی ہو، چناں چہ چند شرائط کے ساتھ اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور ترغیب وترہیب کا اطلاق ایسے موقع پر کرتے ہیں، جہاں کوئی عمل پہلے سے دلیل صحیح سے ثابت ہو، البتہ کسی ضعیف حدیث میں اس کی مخصوص فضیلت وغیرہ وارد ہوئی ہو، تو اس میں ضعیف سے ضعیف حدیث بیان کرنے میں حرج نہیں سمجھتے، بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

اس کے بعد باب ترغیب وترہیب میں ضعیف (بلکہ بعض وہ حدیثیں جن پر بعض حضرات نے موضوع تک کا حکم لگایا ہے) کے بیان کرنے اور استدلال کرنے کا تعامل مشہور ائمہ محدثین اور ناقدین کے حوالہ سے دکھایا گیا ہے، ان میں خصوصیت سے ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر عسقلانی، سیوطی، ابن قیم قابل ذکر ہیں؛ جنھوں نے ترغیب وترہیب کے لیے انتہائی درجہ کی ضعیف حدیثوں کو اپنی کتابوں میں بطور استدلال پیش کیا ہے، اس کی چند ایک مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں، لہٰذا اگر شیخ نے بھی انتہائی ضعیف حدیثیں اس مقصد کے لیے پیش کردیں، تو طریقہ محدثین سے جداگانہ کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔

تیسرے نکتے میں واضح کیا گیا ہے کہ عبرت پذیری کے لیے قصے کہانیوں کا بیان کرنا کوئی قبیح عمل نہیں ہے، جس کے شیخ مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ شریعت مطہرہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں ان قصوں کا ذکر کرنا دائرۂ جواز میں آتا ہے، ضمناً بعض قصوں کے استبعادی پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(مولانا عبد اللہ معروفی / استاذ دار العلوم دیو بند)

اعتراضات اوران کی حیثیت:

اس کتاب پر جو اعتراضات ہوئے ان کی جزئیات میں جانے کا تو موقع نہیں، اصولی طور سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں، ان اعتراضات کی تین قسمیں ہیں:

نمبر ۱- وہ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اس کا ذہن تھوڑی بہت وضاحت سے صاف ہو جاتا ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے وضاحتی خطوط کے مجموعہ "کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں، مثلاً دیکھئے مکتوب نمبر -۱۱؛ جس میں حضرت امام شافعیؒ کے متعلق دن رات میں قرآن کریم کے ساتھ ختم کرنے کی بات پر استبعاد کا جواب دیا گیا ہے اور مکتوب نمبر -۱۲؛ جس میں منبر نبوی کے متعلق اس استفسار کا جواب ہے کہ آں حضرت ﷺ کا منبر تین درجوں کا تھا یا اس سے کم وبیش کا؟

نمبر ۲- وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے، جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کا قائل ہے، خواہ ثبوت واستناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو اور خواہ علمائے امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، جیسے:

۱- فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر اعتراض، جناب تابش مہدی نے "تبلیغی نصاب: ایک مطالعہ" (ص: ۳۵ تا ۳۹) میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت مالکؓ بن سنان کے رسول اللہ ﷺ کے نکلے ہوئے خون کو پینے یا چوسنے کے واقعہ اور اس سے فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر شیخ کے استدلال کا بڑے گھناؤنے انداز میں مذاق اڑایا ہے، حالاں کہ اولاً تو ثبوت کے اعتبار سے اس طرح کے واقعات میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابن الزبیرؓ کا واقعہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔ (دیکھئے: مستدرک حاکم ۳/۵۵۴، مجمع الزوائد ۸/۲۷۰)

امام بیہقی نے سنن کبریٰ (۷/۶۷) میں فرمایا: وروي ذلك من أوجه أخر عن أسماء بنت أبي بكر، وعن سلمان في شرب ابن الزبير دمه. حافظ ہیثمی نے فرمایا: رواه الطبراني والبزار، ورجال البزار رجال الصحيح غير هنيد بن القاسم، وهو ثقة. حافظ شمس الدین ذہبی نے بھی **سير أعلام النبلاء** (۳/۳۶۶) میں اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

اسی طرح حضرت مالک بن سنانؓ کا واقعہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ (۳/۳۴۶) میں ابن ابی عاصم، صحیح ابن السکن، اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کیا ہے؛ لیکن بے چارے ناقد نے حکایات صحابہ میں صرف تاریخ الخمیس اور قرۃ العیون کا حوالہ پا کر اس کو "میلاد گوہر" اور "یوسف زلیخا" جیسی کتاب کی روایت قرار دے دیا۔ نیز آیت قرآنی "إنما حرم عليكم الميتة والدم إلخ" کے منافی قرار دیتے ہوئے عقل صریح کے بھی خلاف قرار دیا ہے، حالاں کہ روایات کی قوت کو دیکھتے ہوئے مذاہب اربعہ کے محققین نے اس کو آں حضرت ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے، آیت کریمہ کا سرے سے کوئی ٹکراؤ ہی نہیں ہے، اس مسئلہ پر تفصیلی ومحققانہ کلام کے لیے دیکھئے مضمون مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ماہنامہ بینات کراچی بابت ماہ شوال ۱۴۰۹ھ۔

۲- مسئلہ توسل میں حد درجہ افراط وتفریط پایا جاتا ہے، ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں علمائے دیو بند نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ انتہائی معتدل ہے، حضرت رسول پاک ﷺ کے وسیلے سے دعا کے جواز کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں جو کچھ لکھا ہے، افراط وتفریط سے محفوظ اور مضبوط دلائل پر مبنی ہے، فضائل ذکر باب دوم کی فصل نمبر ۳ رمیں حدیث "عن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ لما أذنب آدم الذنب الذي أذنبه، رفع رأسه إلى السماء، فقال: أسألك بحق محمد ألا غفرت لي، فأوحى الله إليه إلخ" متعدد کتب حدیث کے حوالہ اور کئی ایک متابعات وشواہد کے ساتھ درج ہے، جس سے مسئلہ توسل بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مگر کوئی صاحب غیظ وغضب میں بھرا ہوا خط شیخ کو لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سراسر موضوع ہے، قرآن کریم کی آیات وقال ربكم ادعوني استجب لكم إلخ (مؤمن ۶۰)، "وإذا سألك عبادي عني فإني قريب إلخ" وغیرہ کے منافی ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس دعا سے اللہ کے متعلق سوئے ظن پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ شیخ رحمہ اللہ نے نہایت ٹھنڈے انداز میں تفصیلی جواب مرحمت فرمایا کہ آپ کو تو قرآن وحدیث میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے اور مجھے اس کا واہمہ بھی نہیں ہوتا، آپ نے لکھا کہ حدیث موضوع ہے، مجھے اب تک بھی اس حدیث کا موضوع ہونا کہیں نہیں ملا۔ مسئلہ کے متعلق مزید تسلی وتشفی کے لیے دیکھئے وضاحتی خطوط کا مجموعہ (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات: ص ۱۳۹ تا ۱۵۴، نیز ص ۱۷۰ تا ۱۸۴)۔

۳- وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اور ان میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور مجموعہ فضائل اعمال کی حدیثوں کی استنادی حیثیت ہے، یعنی ناقدین کے بقول شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان رسائل میں کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کر دیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

آخر الذکر دونوں قسم کی تنقیدات عموماً مخلصانہ تنقید کی بجائے ایسے لوگوں کی جانب سے کی گئی ہیں، جو مؤلف رحمہ اللہ سے مسلکی اختلاف رکھتے ہیں، چناں چہ ان کی تنقیدات حد درجہ جارحانہ ہیں، اپنے نظریہ کے خلاف احادیث پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان کی طرف سے کتاب، مصنف اور کتاب سے استفادہ کرنے والوں پر کھل کر تہمتوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔

۱- ملاحظہ ہو ایک ناقد صاحب کا لب ولہجہ:

"وأهم كتاب عند التبليغيين كتاب "تبليغي نصاب" الذي ألفه أحد رؤسائهم المسمّى محمد زكريا الكاندهلوي، ولهم عناية شديدة بهذا الكتاب، فهم يعظمونه كما يعظم أهل السنة "الصحيحين" وغيرهما من الكتب، وقد جعل التبليغيون هذا الكتيب عمدة، ومرجعاً للهنود وغيرهم من الأعاجم التابعين لهم، وفيه من الشركيات، والبدع، والخرافات، والأحاديث الموضوعة، والضعيفة شيء كثير، فهو في الحقيقة كتاب شر وضلال وفتنة". (حمود بن عبدالله التويجري في كتابه "القول البليغ في التحذير من جماعة التبليغ ص: ۱۱).

یعنی تبلیغی جماعت والوں کے نزدیک اہم ترین کتاب تبلیغی نصاب (مجموعہ فضائل اعمال) ہے، جس کو محمد زکریا نامی ان کے کسی پیشوا نے تالیف کیا ہے، یہ لوگ اس کتاب کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، جس طرح اہل سنت صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی کرتے ہیں، ان لوگوں نے اس کتاب کو ہندوستانیوں اور دوسرے عجمی وابستگان تبلیغ کے حق میں اصل مدار اور مرجع کی حیثیت دے رکھی ہے، جب کہ اس کتاب میں مشرکانہ اعمال، بدعات وخرافات اور ضعیف وموضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار ہے، درحقیقت یہ کتاب برائی، گمراہی اور فتنہ کا پلندہ ہے۔

۲- ملاحظہ ہو ایک اور صاحب کی گل افشانی:

"یہودیوں کی سازش یہ رہی ہے کہ وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد ختم کر دیں، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہودی مشن نے ہر دور میں علماء اور مذہبی جماعتوں کو ہی استعمال کیا اور مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو ختم کرنے میں اب تک کے تمام لٹریچر میں تبلیغی نصاب کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہ اس لیے بھی کہ لوگ اسے حدیث کی کتاب کہنے لگے ہیں، جب کہ حدیث نام کی کوئی چیز اس میں مشکل ہی سے مل پاتی ہے"۔ (تبلیغی نصاب - ایک مطالعہ ص: ۵۷ - از: تابش مہدی)

۳- یہی صاحب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی اس کتاب میں بے سند اور دین سوز روایتیں نقل کی ہیں، یا انھوں نے چند ایسے مشاغل دین میں شامل کیے ہیں، جن کا ثبوت نہ احادیث نبوی سے ملتا ہے، اور نہ صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں سے"۔ (ایضاً ص: ۶۷)

۴- ایک ناقد صاحب قدرے ٹھنڈے لب ولہجہ میں ناصحانہ تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

"ایسی حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ یہ ارشادات رسول ہیں، دین کے لیے کمزور بنیادیں تلاش کرنے، اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنا دینے کا باعث ہے، اس سے بدعات کی راہیں کھلتی ہیں، ملت کے اندر تفرقہ بندی اور طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے"۔ (موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن - ص: ۴۰ - از: شمس پیرزادہ)

بات چاہے کتنی ہی غلط ہو، آج کی پر آشوب دنیا پروپیگنڈے کے زور سے غلط کو صحیح باور کرانے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتی ہے، ہمارے نزدیک ان تنقیدات کی حیثیت سوائے تشکیکات کے اور کچھ نہیں اور یہ تشکیکات عام قاری کے سامعہ ودماغ میں جب تسلسل کے ساتھ پہنچتی ہیں، تو وہ ایک حد تک ضرور متاثر اور غلط فہمی کا شکار رہتا ہے، اس لیے ہم اصولی طور سے کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے سامنے غور وخوض کے تین نکتے ہیں:

۱- مجموعۂ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر وماخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

۲- حدیثوں سے استدلال واستشہاد کے وقت کیا اصطلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے، یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

۳- ترغیب وترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلا نکتہ

پوری کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ براہ راست جن مصادر وماخذ سے حضرت شیخ نے استفادہ کیا ہے، ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے، کسی بھی باب کا آغاز ان قرآنی آیات سے فرماتے ہیں، جن سے زیر بحث موضوع پر صراحتاً، دلالتاً، یا اشارتاً روشنی پڑتی ہو، پھر مختلف کتب تفسیر وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد ان کی مناسب تشریح وتوضیح فرماتے ہیں، اس میں زیادہ تر اعتماد تفسیر ابن کثیر اور حافظ سیوطی کی الدر المنثور پر ہوتا ہے، جو تفسیری روایات کے اہم ومستند مجموعے ہیں۔

پھر احادیث کے انتخاب میں عموماً درج ذیل کتابوں پر اعتماد فرماتے ہیں:

۱- الترغیب والترہیب للحافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری (ت ۶۵۶ھ) شروع سے آخر تک دیکھ جائیے سب زیادہ حدیثیں اسی کتاب سے شیخ نے لی ہیں، اس لیے "فضائل اعمال" کی کسی ایسی حدیث پر تنقید جو ترغیب منذری سے ماخوذ ہو، درحقیقت حافظ منذری رحمہ اللہ پر تنقید ہوگی۔

حافظ منذری کی حدیث میں مہارت تامہ کی تعریف حافظ ذہبیؒ نے کی ہے، منذری کے شاگرد حافظ عز الدین الحسینی (ت ۶۹۵ھ) کی زبانی ان کے مقام ومرتبہ کو سنئے، فرماتے ہیں:

"كان عديم النظير في معرفة علم الحديث على اختلاف فنونه، عالماً بصحيحه، وسقيمه، ومعلوله، متبحّراً في معرفة أحكامه، ومعانيه، ومشكله، قيّماً بمعرفة غريبه، وإعرابه، واختلاف ألفاظه، ماهراً في معرفة رواته، وجرحهم، وتعديلهم، ووفياتهم، ومواليدهم، وأخبارهم، إماماً، حجة، ثبتاً، ورعاً، متحرياً فيما يقوله، وينقله، متثبتاً فيما يرويه ويتحمله. اهـ" (مقدمة جواب الحافظ المنذري للأستاذ الشيخ أبوغدةؒ ص ۲۹ نقلاً عن كتاب "المنذري و كتابه التكملة لوفيات النقلة للدكتور بشار عواد)

یعنی تمام علوم حدیث کی معرفت میں اپنی نظیر آپ تھے، حدیثوں میں صحیح، ضعیف، معلل کے شناور تھے، حدیثوں کے معانی، ان کے مدلول فقہی، مشکل کلمات کے ضبط، متعارض ومختلف الفاظ حدیث میں تطبیق وترجیح کے ماہر، راویان حدیث کی جرح وتعدیل، ان کے حالات، ولادت ووفات کی معرفت تامہ رکھتے تھے، بذات خود ثقہ، حجت اور متقی تھے، جو کچھ نقل کرتے، پوری چھان پھٹک کے بعد کرتے۔

ترغیب وترہیب میں مصنف نے (۳۰) امہات کتب حدیث سے انتخاب کیا ہے؛ جس میں صحیح، حسن، ضعیف، واہی، ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں، بلکہ بعض حدیثوں پر بعض حضرات نے وضع کا بھی حکم لگایا ہے، یہ کتاب آپ نے اپنے بعض زاہد صفت اور عملی ترقی کے خواہش مند طلبہ کے اصرار پر ان کے حسن نیت اور اخلاص کو دیکھتے ہوئے لکھی اور انھیں خیال تک نہ گذرا کہ کہیں روح جہاد ان سے ختم نہ ہو جائے، ان کا عقیدہ فاسد نہ ہو جائے، اور یہ صرف مسجد کے لوٹے بن کر اپنا دین ودنیا برباد نہ کر لیں، کتاب کے مشمولات کی استنادی حیثیت جاننے کے لیے مصنف کی درج ذیل عبارت بغور پڑھیے:

فإن كان الحديث صحيحاً، أو حسناً، أو ما قاربهما؛ صدَّرته بلفظة "عن"، وكذلك إن كان مرسلاً، أو منقطعاً، أو معضلاً، أو في إسناده راوٍ مبهم، أو ضعيف وثّق، أو ثقة ضعّف، وبقية رواة الإسناد ثقات، أو فيهم كلام لا يضر، أو روي مرفوعاً؛ والصحيح وقفه، أو متصلاً؛ والصحيح إرساله، أو كان إسناده ضعيفاً لكن صححه، أو حسنه بعض من خرَّجه، ثم أشيرُ إلى إرساله، أو انقطاعه، أو عضله، أو ذلك الراوي المختلف فيه.... وإذا كان في الإسناد من قيل فيه: كذاب، أو وضاع، أو متهم، أو مجمع على تركه، أوضعفه، أو ذاهب الحديث، أو هالك، أو ساقط، أو ليس بشيء، أو ضعيف جداً، أو لم أر فيه توثيقاً بحيث لا يتطرق إليه احتمال التحسين؛ صدَّرته بلفظة "رویَ" ولا أذكر ذلك الراوي، ولا ما قيل فيه".

یعنی مصنف کے نزدیک جو صحیح، حسن یا ان دونوں کے قریب ہوتی ہے، اس کو تو 'عن' کی ذریعہ شروع کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ حدیث قابل عمل ہے، اسی طرح یہ علامت ان حدیثوں پر بھی لگاتے ہیں جن کی سند مرسل، منقطع یا معضل ہو، یا اس کا کوئی راوی نام کے بغیر مبہم طور سے مذکور ہو، یا جمہور کے نزدیک ضعیف ہو، بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو، یا جمہور کے نزدیک ثقہ ہو، بعض نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہو، جب کہ سند کے بقیہ رجال ثقہ ہوں، یا ان پر ایسا کلام ہو جو مضر نہ ہو، ان تمام صورتوں میں حدیث کو 'عن' سے شروع کرنے کے بعد ان کی علتیں ذکر کرتے ہیں۔

اور اگر سند میں کوئی ایسا راوی ہو، جس کو ائمہ جرح وتعدیل نے کذاب، وضاع، متہم، یا متفقہ طور سے ضعیف یا متروک کہا ہو، یا ذاهب الحديث، هالك، ساقط، ليس بشيء، ضعيف جداً وغیرہ کے الفاظ کہے ہوں، یا مصنف کے دیکھنے میں حدیث کی تحسین کا کوئی امکان نہ ہو تو اس وقت اس حدیث کو ذکر کرتے وقت 'رُوِيَ عن' (صیغۂ مجہول) سے تعبیر کرتے ہیں اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے، گویا ضعف کی دو علامتیں ہیں، ایک 'رُوِيَ' (صیغۂ مجہول) کی تعبیر، دوسری مصنف کی خاموشی۔

دیکھئے اول الذکر صورتوں میں کئی ایک موجب ضعف ہیں؛ لیکن حافظ منذری ترغیب وترہیب میں ان کو نقصان دِہ نہیں مانتے اور مؤخر الذکر کو انتہائی ضعف کے باوجود ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حد تک باب ترغیب وترہیب میں مؤثر مان کر ذکر کر دیتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ بھی بالکل اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے شدید ضعف والی حدیثوں کو 'رُوِيَ عن' سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ مثال آرہی ہے۔

شیخ محمد عبد الحی الکتانی اپنے رسالہ "الرحمة المرسلة في شأن حديث البسملة" میں حافظ سیوطی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: "إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف المنذري صاحب الترغيب والترهيب؛ فارووه مطمئنين" (كما في تعليق الشيخ أبو غدةؒ على الأجوبة الفاضلة ص: ۱۲۱)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حافظ منذری اگر کسی حدیث پر اعتماد کریں تو وہ قابل اعتماد ہے۔

۲- حافظ منذری نے اگر حاکم کا حوالہ دیا ہوتا ہے، تو شیخ براہ راست مستدرک اور اس پر حافظ ذہبی کا نوٹ بھی ملاحظہ فرما کر درج کرتے ہیں۔

۳- حافظ منذری کسی حدیث کو احمد، طبرانی، ابو یعلی اور بزار کے حوالہ سے اگر نقل کرتے ہیں، تو شیخ اسی پر اکتفا کرنے کے بجائے حافظ ہیثمیؒ (ت ۸۰۷ھ) کی "مجمع الزوائد" کی طرف بھی مراجعت فرماتے ہیں؛ کیوں کہ اس کتاب میں احمد، بزار اور ابو یعلی کے مسانید اور طبرانی کے معاجم ثلاثہ کے زوائد کو جمع کرنے کے ساتھ ان کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا گیا ہے؛ چناں چہ شیخ وہاں سے اختلاف الفاظ اور ہیثمیؒ کا کلام نقل فرماتے ہیں۔

۴- اسی طرح حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے بکثرت نقل فرماتے ہیں، جو مختصر متون حدیث کا انتخاب صحیحین سمیت تقریباً ۳۰ رامہات کتب سے کیا گیا ہے، اور حدیثوں کے درجات صحیح، حسن، ضعیف کی نشاندہی رموز کے ذریعہ کی گئی ہے؛ چناں چہ شیخ اس سے نقل کرتے وقت "ورقم له بالصحة" وغیرہ کی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

۶/۵- کتب صحاح وسنن کا مشہور ومتداول مجموعہ مشکوۃ المصابیح اور جمع الفوائد (جو چودہ کتب حدیث کا مجموعہ ہے) سے بھی گاہ بہ گاہ انتخاب کرتے ہیں۔

۷- فضائل درود میں خاص طور سے زیادہ انحصار حافظ شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ھ) کی "القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع" پر ہے اور حافظ سخاوی اپنے ذوق تنقید، وسعت نظر اور اعتدال پسندی میں ممتاز ہیں، ان کی کتاب "المقاصد الحسنة" لوگوں میں رائج اور زبان زد حدیثوں کی تحقیق میں مرجع ہی

نہیں، بلکہ عمدۃ المراجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

مذکورہ بالامعروضات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مجموعہ فضائل اعمال اپنے حدیثی مآخذ کے اعتبار سے معتبر کتاب ہے۔

ایک خلجان

البتہ ایک خلجان ہنوز باقی ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ آیات واحادیث کی تشریح کے ذیل میں بکثرت ایسی کتابوں کے حوالے سے احادیث وآثار نقل کرتے ہیں، جن کی استنادی حیثیت کمزور ہے اوران میں موضوعات کی کثرت ہے، نیز وہ حدیثیں دوسری مستند کتب میں نہیں ملتیں، مثلاً فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تنبیہ الغافلین (جس کے متعلق حافظ ذہبی نے فرمایا: "فیہ موضوعات کثیرۃ". (سیر أعلام النبلاء ۱۶/۳۲۲)

یا جیسے ''قرۃ العیون'' (جس کو شیخ نے تو جگہ جگہ فقیہ ابواللیث ہی کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن مجھے کافی تلاش کے باوجود ان کی اس نام کی کوئی کتاب نہیں ملی، بلکہ یہ کتاب درحقیقت شیخ ابوبکر الاحسائی کی ہے، جو حافظ ابن الجوزی کی کتاب "التبصرۃ" کی تلخیص واختصار ہے، پورا نام ''قرۃ العیون المبصرۃ بتلخیص کتاب التبصرۃ'' ہے، بہرکیف اس میں بھی موضوعات کی تعداد خاصی ہے، یا جیسے امام غزالی کی احیاء العلوم (جس میں موضوعات کی تعداد اتنی ہے کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۴/۱۴۵) میں اس کی بے اصل روایات کو بیان کرنا شروع کیا تو یہ سلسلہ ۳۸ صفحات تک پہنچ گیا، یا جیسے ابن حجر عسقلانیؒ سے منسوب ''المنبہات'' (جس کا حافظ کی طرف انتساب محتمل ہے) اس کتاب میں بھی موضوعات کی کثرت ہے، اس خلجان کا ازالہ اگلے نکتہ میں خود بخود ہوگا۔

مؤیدات وشواہد کا اہتمام

واضح رہے کہ روایت میں اگر ضعف ہوتا ہے تو کوئی ایک مصادر کو کھنگال کر اس کے شواہد ومؤیدات جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی مجموعی حیثیت اس مضمون کو وزنی بنادیتی ہے، مثلاً:

رُوِیَ أنہ علیہ الصلاۃ والسلام قال: من ترک الصلاۃ، حتی مضیٰ وقتہا، ثم قضیٰ؛ عُذِّب فی النار حقُباً، والحقب ثمانون سنۃ، والسنۃ ثلاث مائۃ وستون یوماً، کل یومٍ کان مقدارہ ألف سنۃ، کذا فی مجالس الأبرار.

قلت: لم أجدہ فیما عندی من کتب الحدیث؛ إلا أن مجالس الأبرار مدحہ شیخ مشائخنا الشاہ عبد العزیز الدہلوی...

وأخرج ابن کثیر فی تفسیر قولہ تعالیٰ ''فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساہون'' عن ابن عباس أن فی جہنم لوادٍ تستعیذ جہنم من ذلک الوادی فی کل یوم أربع مائۃ مرۃ، أعد ذلک الوادی للمرائین من أمۃ محمد ﷺ.

وذکر أبو اللیث السمرقندی فی قرۃ العیون عن ابن عباس، وہو مسکن من یؤخر الصلاۃ عن وقتہا.

وعن سعد بن أبی وقاص مرفوعاً: "الذین ہم عن صلاتہم ساہون'' قال: ہم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتہا، وصحح الحاکم، والبیہقی وقفہ. وأخرج الحاکم عن عبداللہ فی قولہ تعالیٰ: " فسوف یلقون غیاً " قال: وادٍ فی جہنم بعید القعر، خبیث الطعم، وقال: صحیح الإسناد.

ہم نے اس مثال کو اس لیے اختیار کیا کہ یہ خاص طور سے ناقدین کے نشانہ پر رہی ہے، حضرت شیخ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی خوب اعتراضات ہوئے، اس کو نقل کرنے کے بعد شیخ نے خود لکھا کہ مجالس الابرار میں ایسے ہی ہے، مجھے اپنے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملی، ہاں مسند الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تعریف کی ہے، اس کے باوجود شیخ جانتے ہیں کہ اتنی بات کافی نہیں اور چوں کہ مذکورہ حدیث کا مضمون نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرکے پڑھنے پر سخت وعید ہے؛ اس لیے:

۱-تفسیر ابن کثیر سے "فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساہون، الذین ہم یُراؤن'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر - جو حکماً مرفوع ہے - نقل کیا کہ جہنم میں ایک وادی ہے، جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، جو امت کے ان ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۲-پھر قرۃ العیون سے ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا کہ یہ وادی ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے، جو نماز قضا کرکے پڑھتے ہیں۔

۳-اور یہی مضمون حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے اور حاکم وبیہقی نے اس کا موقوف ہونا ہی صحیح قرار دیا ہے۔

غور کیجیے مجموعی طور سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں غفلت کرنے اور قضا کرکے پڑھنے والے کی سزا جہنم میں سخت ترین رکھی گئی ہے، خواہ ایک حقب کی تعیین ثابت نہ ہو؛ اسی لیے جب بعض حضرات نے شیخ کو اس کے خارج کرنے کا مشورہ دیا تو شیخ نے جواب دیا کہ:

''ابھی تک اس ناکارہ کی سمجھ میں اس حدیث کے نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی''۔ (کتب فضائل پر اشکالات...ص:۱۳۱)

دوسرا نکتہ

اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے، حدیث نبوی اس کی تفسیر وتشریح ہے، جس کو نظر انداز کرکے صرف قرآن کے ذریعہ راہ یابی نہیں ہو سکتی، جیسا کہ قرآنی ارشاد اس پر صریح دلالت کررہا ہے " وأنزلنا إلیک الذکر لتبیّن للناس ما نُزِّل إلیہم"۔ الآیۃ. اور حدیث ایک اتھاہ سمندر ہے، سرکار دو عالم ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی میں آپ کے اقوال، افعال، تقریرات، خَلقی وخُلقی احوال کا مجموعہ، جو دربار نبوی کے حاضر باش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ نقل در نقل ہوتا ہوا امت کو پہنچا ہے؛ روایت ودرایت کے اعتبار سے اس کی صحت وصداقت کو جانچنے کے لیے محدثین اور فقہائے امت نے اس قدر ممکنہ تدابیر وقوانین اپنائے جو صرف اور صرف اسی امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ثبوت واستناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کیے، جن کو صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے، چناں چہ عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب لابدی امر ہے۔

حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں، سند کا اتصال، راویوں کی عدالت، ضبط اور شذوذ وعلت قادحہ سے محفوظ ہونا۔ حدیث حسن بھی انھیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے۔ حسن کی ایک قسم وہ ضعیف ہے جو تعدد طرق کی وجہ سے قوت پاکر حسن بن جاتی ہے اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو، وہ ضعیف کہلاتی ہے، جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، سب سے گھٹیا 'موضوع' ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چناں چہ جمیع ابواب دین میں ان سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کا خیال ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں تو ضعیف کو حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے، البتہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص، مغازی وغیرہ میں اس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ موضوع نہ ہو، چناں چہ ابن مہدیؒ، امام احمدؒ وغیرہ سے منقول ہے: "إذا روینا فی الحلال والحرام شدّدنا، وإذا روینا فی الفضائل ونحوہا تساہلنا" (فتح المغیث، وظفر الأمانی ص:۱۸۲ نقلاً عنہ). بعض کے نزدیک باب احکام میں بھی حجت ہے، جب کہ دوسرے بعض کے نزدیک سرے سے حجت نہیں۔

قال العلامۃ اللکنوی بعد ذکرہ الآراء الثلاثۃ فی المسئلۃ: ومنع ابن العربی العمل بالضعیف مطلقاً، ولکن قد حکی النووی فی عدۃ من تصانیفہ إجماع أہل الحدیث وغیرہم علی العمل بہ فی فضائل الأعمال ونحوہا خاصۃ، فہذہ ثلاثۃ مذاہب. اھ. (الأجوبۃ الفاضلۃ)

اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ جمہور عملاً باب احکام میں بھی ضعاف کو کسی نہ کسی درجہ میں قابل عمل مانتے ہیں۔

بدقسمتی سے آج بعض حلقوں کی جانب سے پوری شدومد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً ناقابل اعتبار ہے، اس کا محل موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے، حجت صرف صحیح حدیث ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو تو شامل کرلیتے ہیں، ورنہ عام سطح کے لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں، اور بعض غلو پسند طبیعتیں تو صحیحین کو چھوڑ کر بقیہ کتب حدیث کو "صحیح الکتاب الفلانی" و "ضعیف الکتاب الفلانی" جیسے عمل جراحی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور اپنے اجتہاد کے مطابق اہم کتب حدیث کی حدیثوں کو صحیح اور ضعیف دو خانوں میں تقسیم کرکے شائع کیا جانے لگا ہے؛ فإلی اللہ المشتکیٰ

آیئے! ضعیف حدیثوں کی استدلالی حیثیت کا مختصر جائزہ لیں۔

ضعیف حدیث باب احکام میں:

جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے، تو جمہور محدثین وفقہا کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جاسکتا ہے بشرطے کہ ضعف شدید نہ ہو، یعنی سند میں کوئی متہم یا کذاب راوی نہ ہو، ضعیف سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الف: حنفیہ

۱-امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے: "الخبر الضعیف عن رسول اللہ ﷺ أولیٰ من القیاس، ولا یحل القیاس مع وجودہ" (المحلیٰ لابن حزم ۳/۱۶۱) یعنی باب میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کرکے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ:

(۱) نماز میں قہقہہ سے نقضِ وضو والی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۲) "أکثر الحیض عشرۃ أیام" حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، حنفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۳) "لا مہر أقل من عشرۃ دراہم" اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں اور حنفیہ نے قیاس نہ کرکے اس کو معمول بہ بنایا۔

(أعلام الموقعین ۱/۳۱، ۳۲)

۲-محقق ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: "الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع" ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو، اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔ (فتح القدیر باب النوافل ۲/۱۳۹)

مثلاً: (۱) حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنھیں صلاۃ الاوابین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے، دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینہن بسوء عدلن لہ بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ"۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو عمر بن ابی خثعم کے طریق سے روایت کرکے فرمایا: "حدیث أبی ہریرۃ حدیث غریب، لانعرفہ إلا من حدیث زید بن الحباب عن عمر بن ابی خثعم" امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا اور بہت ضعیف قرار دیا، حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا: لہ حدیث منکر أن من صلی بعد المغرب ست رکعات ووہاہ ابو زرعۃ"۔

(۲) مردہ کو دفن کرتے وقت تین لپ مٹی ڈالنا، پہلی بار منہا خلقناکم، دوسری بار وفیہا نعیدکم اور تیسری بار ومنہا نخرجکم تارۃ أخری پڑھنے کو طحطاوی (ص:۶۱۰) میں مستحب لکھا ہے، دلیل حاکم واحمد کی حدیث بروایت أبو امامہ رضی اللہ عنہ کہ جب حضرت ام کلثومؓ بنت النبی ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا: منہا خلقناکم الخ، آخر میں بسم اللہ، وفی سبیل اللہ، وعلی ملۃ رسول اللہ کی زیادتی ہے، اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے، ذہبی نے تلخیص میں کہا: "وہو خبر واہٍ لأن علی بن زید متروک"۔

ب: مالکیہ

امام مالک کے نزدیک مرسل بمعنی عام یعنی منقطع حجت ہے، جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مالکیہ کی معتمد ترین کتاب ''نشر البنود علی مراقی السعود'' میں ہے: عُلِم من احتجاج مالک بالمرسل أن کلاً من المنقطع، والمعضل حجۃ عندہم لصدق المرسل بالمعنی الاصولی علی کل منہا" (۲/۶۳ کما فی "التعریف بأوہام من قسم السنن إلی صحیح وضعیف" للدکتور محمود سعید ممدوح)

ج: شافعیہ

۱-مرسل حدیث امام شافعی کے نزدیک ضعیف ہے؛ لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہو تو وہ اس سے احتجاج کرتے ہیں، حافظ سخاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغیث میں نقل کی ہے۔ (۱/۱۷۰)

۲-حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے، چناں چہ انھوں نے صید وج کی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ حرم مکی کے اندر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ "من قاء أو رعف؛ فلیتوضأ، ولیبن علی صلاتہ" کو اپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔ (اعلام الموقعین ۱/۳۲)

د: حنابلہ

۱-ابن النجار حنبلی نے شرح الکوکب المنیر (۲/۵۷۳) میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے: "لست أخالف ما ضعف من الحدیث إذا لم یکن فی الباب ما یدفعہ" یعنی باب میں ضعیف حدیث ہو اور اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو تو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

۲-حافظ ہروی نے ذم الکلام میں امام عبد اللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کو مسئلہ درپیش ہے، اور شہر میں ایک محدث ہے، جو ضعیف ہے (ایک روایت میں: جو صحیح وسقیم میں تمیز نہیں کرپاتا) اور ایک فقیہ ہے، جو اہل رائے وقیاس میں سے ہے، وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا: اہل رائے سے تو پوچھے نہیں؛ کیوں کہ ضعیف الحدیث قوی الرأی سے بہتر ہے۔ (ذم الکلام ۲/۱۷۹، ۱۸۰)

۳-فقہ حنبلی کی مستند ترین کتاب ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے لکھا کہ: "النوافل والفضائل لایشترط صحۃ الحدیث فیہا" نیز امام کے خطبہ کے دوران حاضرین کے احتباء (اس طرح بیٹھنا کہ سرین زمین پر ہو، دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں بازوؤں یا کسی کپڑے وغیرہ سے انھیں باندھ لیا جائے) کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ چند ایک صحابہ سے مروی ہے؛ لیکن بہتر نہ کرنا ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے امام کے خطبہ کے دوران حبوۃ سے منع فرمایا ہے؛ اس لیے اگرچہ حدیث ضعیف ہے، افضل حبوہ کا ترک ہی ہے۔ (المغنی ۲/۸۸، ۲۰۶)

ہ: فقہاومحدثین

۱-حافظ ذہبی نے امام اوزاعی کے متعلق لکھا کہ وہ مقطوعات اور اہل شام کے مراسیل سے استدلال کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۱۴)

۲- امام ابوداؤد کے متعلق حافظ ابن مندہ نے کہا: " ویخرج الاسناد الضعیف إذا لم یجد فی الباب غیرہ؛ لأنہ أقوی عندہ من رأی الرجال" کہ امام ابوداؤد کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انھیں ضعیف حدیث کے علاوہ نہیں ملتی، تو اسی کا اخراج کرلیتے ہیں، کیوں کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔ (تدریب الراوی)

و: ظاہریہ

ابومحمد ابن حزم ظاہری جن کا تشدد مشہور رہے، محلی (۳/۶۱) میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما لائے، اور اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حدیث اگرچہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے؛ لیکن چوں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی؛ اس لیے ہم اسے اختیار کرتے ہیں''۔

دوسری صورت:

اگر ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہو، تو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں، چناں چہ امام نوویؒ نے ''اذکار'' میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "إلا أن یکون فی احتیاط فی شیء من ذلک کما إذا ورد حدیث ضعیف بکراہۃ بعض البیوع، والأنکحۃ؛ فالمستحب أن یتنزہ عنہ" اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہائے کرام نے دھوپ سے گرم کیے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے، حدیث عائشہؓ کی بنا پر جو ضعیف ہے۔ (شرح الاذکار ۱/۶۸، ۷۸ کما فی التعریف بأوہام إلخ)

تیسری صورت:

اگر کسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہو اور کوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو راجح قرار دیتی ہو، یا دو یا چند حدیثیں متعارض ہوں اور کوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتی ہو تو علمائے امت اس موقع پر ضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

کچھ اور صورتیں

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت و فائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارا لیا جاتا ہے، نیز حدیث ضعیف اگر متلقّی بالقبول ہو جائے اور اس کے مطابق فقہا یا عام امت کا عمل ہو جائے، تب تو ضعیف ضعیف ہی نہیں رہتی اور اس کے ذریعہ وجوب اور سنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمة الفقهاء للشیخ محمد عوامة"، اور "الاجوبة الفاضلة" کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ!

سید احمد بن الصدیق الغماری المالکی رحمہ اللہ کی اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پر اس کڑی کو یہیں ختم کیا جا رہا ہے، فرماتے ہیں:

"احکام شرعیہ میں ضعیف سے استدلال کوئی مالکیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں، اس لیے یہ جو مشہور ہے کہ "احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا" اپنے عموم و اطلاق پر نہیں ہے، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، کیوں کہ ہر مسلک کی ان احادیثِ احکام کا آپ جائزہ لیں، جن سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط اور قریب بموضوع کی بھی ملے گی، البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں: "اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے"، بعض کے متعلق: "اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہے"، بعض کے متعلق: "یہ قیاس کے موافق ہے"۔ مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بچیں گی، جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کہ "احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا" یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیوں کہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے، اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو، اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی جا سکتی اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جا سکتا کہ "یہ آں حضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے، جب کہ وہ موضوع نہ ہو، یا اس سے قوی اصل شرعی سے معارض نہ ہو؛ لہٰذا اقوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کی بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہیے، ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اس کے تئیں دو رخا طرز اپنائیں، پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں۔ انتہی (المثنونی والبتّار ۱/۱۸۰، ۱۸۱ کما فی التعریف)

خلاصہ کلام یہ کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول ہے، تو دیگر ابواب میں بدرجۂ اولیٰ مقبول ہوگی۔

احکام کے علاوہ میں ضعیف حدیث:

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ضعیف غیر موضوع عقاید و احکام کے علاوہ میں جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے، عقاید و احکام کے باب میں تشدد اور فضائل، ترغیب و ترہیب اور مناقب وغیرہ میں تساہل کی بات حافظ سخاویؒ نے امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابن المبارکؒ، سفیان ثوری، ابن عیینہؒ سے نقل کی ہے۔

حافظ نوویؒ نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اپنی کتاب جزء اباحة القيام لأهل الفضل میں فرماتے ہیں:

"أجمع أهل الحديث وغيرهم على العمل في الفضائل ونحوها۔ مما ليس فيه حكم، ولا شيء من العقائد، وصفات الله تعالىٰ بالحديث الضعيف"۔ (نقلاً عن التعريف بأوهام...)

امام نووی کی "الأربعین" اور اس کی شرح "فتح المبین" لابن حجر المکی الہیتمی کے الفاظ ہیں:

قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال، لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر؛ فقد أُعطي حقه، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل، ولا تحريم، ولا ضياع حق الغير. (الأجوبة الفاضلة ص: ۴۳)

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علما کا اتفاق ہے، کیوں کہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی، تو اس کو اس کا حق مل گیا، ورنہ اس پر عمل کرنے سے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیتا؛ لیکن چند بڑے محدثین و اساطین علم کے نام ذکر کیے جاتے ہیں، جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کے قائل نہیں ہیں۔ (قواعد التحديث للشيخ جمال الدين القاسمي ص: ۱۱۶)

ان اساطین میں امام بخاریؒ، مسلمؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابو بکر بن العربیؒ ہیں، بعض حضرات نے ابو شامہ مقدسیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، اور علامہ شوکانیؒ کا نام بھی لیا ہے، تفصیل کا تو موقع نہیں، آیئے ان حضرات کی آرا کے متعلق کچھ تحقیق کر لیں!

امام بخاری کا موقف:

علامہ جمال الدین قاسمیؒ (صاحب قواعد التحدیث) کے بقول بظاہر امام بخاریؒ کا مذہب مطلقاً منع ہے اور یہ نتیجہ انھوں نے صحیح بخاری کی شرط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے، علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ نے بھی اپنے مقالات (ص: ۵۴) میں یہی بات کہی ہے؛ لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے، تو اولاً اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے؛ لہٰذا اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف سرے سے ناقابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے۔ چناں چہ خود آپ نے احادیثِ آداب و اخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ "الأدب المفرد" مرتب فرمایا جس کی شرط یقیناً ان کی جامع صحیح سے بہت فروتر ہے حتیٰ کہ عصر حاضر کے بعض علم بردارانِ حفاظت سنت کو "صحیح الأدب المفرد" اور "ضعیف الأدب المفرد" کے جراحی عمل کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث و آثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے، بلکہ بعض ابواب تو آباد ہی ضعیف سے ہیں اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے، چناں چہ اس کے رجال میں ضعیف، مجہول، منکر الحدیث، متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" کی شرح "فضل الله الصمد" سے ۲۲/احادیث و آثار اور ان کے رجال کے احوال نقل کیے، ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اثر نمبر ۲۳ میں علی بن الحسين بن واقد المروزي: ضعيف الحديث.

(۲) حدیث نمبر ۴۳ میں محمد بن فلان بن طلحة، مجهول، أو ضعيف متروك.

(۳) اثر نمبر ۴۵ میں عبيدالله بن مَوهب، قال أحمد: لايعرف.

(۴) اثر نمبر ۵۱ ابو سعد سعيدبن المرزبان البقال الأعور، ضعيف.

(۵) حدیث نمبر ۶۳ میں سليمان أبو إدام يعني سليمان بن زيد: ضعيف، ليس بثقة، كذاب، متروك الحديث.

(۶) حدیث نمبر ۱۱۱ میں ليث بن أبي سليم القرشي أبوبكر: ضعيف.

(۷) حدیث نمبر ۱۱۲ میں عبدالله بن المُساوِر: مجهول.

(۸) حدیث نمبر ۱۳۷ میں يحيىٰ بن أبي سليمان: قال البخاري: منكر الحديث.

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب سے الادب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو مستورین کی تعداد دو، ضعفاء کی تعداد ۲۲، اور مجہولین کی تعداد ۲۸ نکلی، مجموعہ ۵۲/رواۃ۔

اس جائزہ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فضائل کی حدیثوں کے تئیں امام بخاری کا مسلک وہی ہے، جو جمہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں متکلم فیہ رجال کی حدیثیں

ثانیاً خود الجامع الصحیح میں ایسی مثالیں موجود ہیں، جن کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود ہے، جس کی حدیث محدثین کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی، بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے اور اس کو داخلِ صحیح کرنے کی اس کے علاوہ کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے اور شارحین نے یہی تاویل کی بھی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں!

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری (ص: ۶۱۵) میں محمد بن عبد الرحمٰن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قال أبوزرعة: منكر الحديث، وأورد له ابن عدي عدة أحاديث، قلت: له في البخاري ثلاثة أحاديث، ليس فيها شيء مما استنكره ابن عدي... ثالثها في الرقاق: "كن في الدنيا كأنك غريب"، وهذا تفرد به الطفاوي، وهو من غرائب الصحيح، وكأن البخاري لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب والترهيب".

یعنی "کن فی الدنیا کأنك غریب" (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبد الرحمٰن الطفاوی منفرد ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے اس کے ساتھ تساہل کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ ترغیب و ترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔

(۲) عن أبيّ بن عباس بن سهل بن سعد، عن أبيه، عن جده قال: كان للنبي ﷺ في حائطنا فرس يقال له اللَّحيف. (کتاب الجہاد)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں اُبی بن عباس بن سہل کی بابت امام احمدؒ، نسائیؒ، ابن معینؒ، امام بخاریؒ سے تضعیف کے جملے نقل کیے، عقیلی نے کہا اس کی کئی حدیثیں ہیں اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے، پھر حافظ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث پر اس کے بھائی عبد المہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے؛ لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

"وعبدالمهيمن أيضاً فيه ضعف، فاعتضد، وانضاف إلى ذلك أنه ليس من أحاديث الأحكام، فلهذه الصورة المجموعة حكم البخاري بصحته" انتهى.

ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہو سکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے، تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے، اس لیے چل جائے گی۔

(۳) محمد بن طلحة، عن طلحة، عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه، فقال النبي ﷺ: هل تُنصَرون وتُرزَقون إلا بضعفائكم"۔ (کتاب الجہاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب)

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ان کا سماع اپنے والد سے کم سنی میں ہوا تھا، امام نسائیؒ، ابن معینؒ، ابن سعدؒ وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے: صدوق له أوهام، وأنكروا سماعه من أبيه لصغره. حافظ ابن حجرؒ مقدمہ (ص: ۶۱۳) میں فرماتے ہیں:

صحیح بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں، دو تو متابعت کی وجہ سے درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہیں، تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے، اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں، مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے، یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

امام مسلم کا موقف

علامہ جمال الدینؒ نے امام مسلم کے متعلق دلیل یہ دی کہ انھوں نے مقدمہ میں ضعیف و منکر احادیث کے روایت کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے؛ لیکن امام مسلم کی اس تشنیع سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے، انھوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کر کے جمع کرے، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

تاہم امام مسلم نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات و شواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔

(۲) وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں، جو حفظ و اتقان میں متوسط اور بظاہر جرح سے محفوظ ہیں۔

(۳) وہ حدیثیں جو ضعفا و متروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں، قاضی عیاض نے جو توجیہ کی، علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام مسلم نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے، جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علما کا اتفاق ہے، اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے اور یہ لوگ وہ ہیں جن کو بعض تو متہم سمجھتے ہیں اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، یہ کل چار طبقے ہوئے۔ میں نے امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی حدیثیں لاتے ہیں، اس طرح کہ باب میں اولاً طبقۂ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں، پھر مزید تقویت کے لیے طبقۂ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقۂ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی تخریج کرتے ہیں، جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے، رہے چوتھے طبقہ کے لوگ، تو ان کو آپ نے ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ شرح نوویؒ)

حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ طبقۂ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی معدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں، پھر متابعات و شواہد کے طور پر طبقۂ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں، اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید ہی لیتے ہیں، یہ عطا بن السائب، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد، ابان بن صمعہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت کے لوگ ہیں"۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۵)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور نتیجۃً پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک ہو جائے گا؛ جب کہ صحیحین کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے؛ کیوں کہ جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں؛ تو دوسری کتب حدیث تو بدرجہ اولیٰ محفوظ نہیں رہیں گی اور اس طرح پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتبار ہو جائے گا اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لیے بہانہ ملے گا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کہا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت و حسن کا معیار مختلف ہوتا ہے، باب احکام (حلال و حرام) میں سخت ہوتا ہے، تو فضائل وغیرہ میں نرم، چناں چہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ اپنی علتوں کے باوجود فضائل و آداب کے باب کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہیں؛ اگر چہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت مطلوب ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو داخلِ "صحیح" کر لیا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت و حسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں، جو باب احکام کے لیے مخصوص ہے اور وہ بھی صرف اسنادی پہلو سے، اس لیے مناسب خیال کیا گیا کہ ضعیف اور متکلم فیہ رجال کی حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کر دیا جائے، تاکہ اس مغالطہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ورنہ صحیحین کے متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے، کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے مقدمہ "فتح الملہم" میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع و یقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی عظمت و مقام کی بابت حضرت شاہ ولی

اللہ رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے، اس جگہ ہم بھی انھیں عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس غرضنا مما كتبنا في هذا البحث تهوين أمر الصحيحين، أو غيرهما من كتب الحديث، بل المقصود نفي التعمق و الغلو، و وضع كل شيء في موضعه، و تنويه شأنه بما يستحقه، و نحن بحمد الله نعتقد في هذين الكتابين الجليلين، و نقول بما قال شيخ شيوخنا، و مقدم جماعتنا الشاه ولي الله الدهلوي في "حجة الله البالغة"، و هذا لفظه:

"أما الصحيحان؛ فقد اتفق المحدثون علي أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع (بالتفصيل الذى ذكرنا)، و إنهما متواتران إلىٰ مصنفيهما، وإنه من كان يهوّن أمرهما؛ فهو مبتدع، ضال، متبع غير سبيل المؤمنين"۔

اس بحث میں جو کچھ ہم نے لکھا اس سے ہمارا مقصد –معاذ اللہ– صحیحین، یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے، بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجبی حق دینے کی کوشش ہے، ورنہ ہم بحمد اللہ ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں، جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرمایا ہے:

"رہیں صحیحین؛ تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے وہ بالکل صحیح ہے، اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے، بلاشبہ جو شخص بھی ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی، گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کے پیروی کرنے والا ہوگا"۔ (مقدمہ فتح الملہم ص:۱۰۸)

یحییٰ بن معین رحؒ کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الاثر میں یحییٰ کا مذہب مطلقاً رد ہی نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے، شواہد درج ذیل ہیں:

۱- جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقاید و احکام میں تشدد، فضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے، ان میں ابن معین بھی ہیں۔ (فتح المغیث ۱/۲۹۷)

۲- شیخ احمد محمد نور سیف نے "مقدمہ تاریخ ابن معین" میں لکھا کہ یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں، چناں چہ فرمایا: "ثقة، ولكن ليس بحجة"۔ ابن اسحاق کے شاگرد زياد بن عبدالله البكائى کے متعلق فرمایا: "ليس بشيء، لا بأس به في المغازي، وأما في غيرها؛ فلا" معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں، احکام وغیرہ میں نہیں۔

۳- الکامل لابن عدی (۱/۲۶۶) میں ہے: "عن ابن ابى مريم قال: سمعت ابن معين يقول: إدريس بن سنان يكتب من حديثه الرقاق" ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (آداب و فضائل) کے باب میں قابل قبول ہے، جب کہ یہ ضعیف ہیں۔

ابو بکر بن العربیؒ کا موقف

یہ مالکی المسلک فقیہ ہیں، ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی، جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف قابل عمل نہیں، البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

۱- مرسل حدیث جو جمہور محدثین و شافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں۔ "المرسل عندنا حجة في أحكام الدين من التحليل والتحريم، وفي الفضائل، وثواب العبادات، وقدبينّا ذلك في أصول الفقه"۔ (عارضۃ الاحوذی ۲/۲۴۷)

۲- ضعیف کے معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں: "روى أبو عيسىٰ حديثاً مجهولاً: "إن شئت شمته، وإن شئت فلا"، وهو وإن كان مجهولاً؛ فإنه يستحب العمل به لأنه دعاء بخير، وصلة للجليس، وتودد له" اهـ (عارضہ ۱۰/۲۰۵)

یعنی اگر چہ یہ حدیث مجہول کی روایت سے ہے؛ لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے؛ کیوں کہ اس میں خیر کی دعا، ہم نشیں کی دل بستگی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔

ابو شامۃ مقدسی کا موقف

محدث ابو شامہ مقدسی کی بات شیخ طاہر الجزائریؒ نے توجیہ النظر (۲/۶۵۷) میں نقل کی ہے، انھوں نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلسِ املاء کے حوالہ سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں، اس کے بعد لکھا کہ:

كنت أودّ أن الحافظ لم يذكر ذلك؛ فإن فيه تقريراً لما فيه من الأحاديث المنكرة، فقدره كان أجل من أن يحدث عن رسول الله ﷺ بحديث يرى أنه كذب، و لكنه جرى على عادة جماعة من أهل الحديث يتساهلون في أحاديث الفضائل الخ".

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو بیان نہ کرتے؛ کیوں کہ اس سے منکر حدیثوں کو رواج دینا ہے، آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں بیان کریں؛ لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتتی ہے، اس کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اس پر تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

"محدث ابو شامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرمادی، جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں، ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے، جب کہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا موقف

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہوسکے، اس دعوی کا بین ثبوت ان کی کتاب "الكلم الطيب" ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے، اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانیؒ دیں گے، جنھوں نے "صحيح الكلم الطيب" اور "ضعيف الكلم الطيب" میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (التعریف باوہام ... ۱/۱۰۳)

علامہ شوکانی کا موقف

اگر چہ علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعہ (ص:۲۸۳) کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل عمل ہے؛ لیکن ان کی اہم ترین تصنیف "نیل الاوطار" (۳/۶۰) کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے:

"والآيات والاحاديث المذكورة في الباب تدل على مشروعية الاستكثار من الصلاة بين المغرب والعشاء، والاحاديث وان كان اكثرها ضعيفاً فهي منتهضة بمجموعها، لاسيما في فضائل الاعمال"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب و عشا کے درمیان نوافل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں؛ لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں؛ خاص کر فضائل اعمال میں۔

نیز آپ کی کتاب "تحفۃ الذاکرین" کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کرسکتا کہ ان کی طرف زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیوں کہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو **التعريف**...)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جب کہ موضوع نہ ہو، باب احکام و عقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے، اور چوں کہ فضائل، مناقب، ترغیب و ترہیب، سیر و مغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری، اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے پورے شد و مد سے ان کے خلاف ہوا کھڑا کیا گیا ہے، تاکہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم تر ہوجائے، پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس تک باقی نہ رہے۔ یا لیت قومي يعلمون.

ضعیف حدیث پر عمل کے شرائط

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت محتمل ہوتا ہے؛ اس لیے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع (ص:۱۵۹) میں ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱- یہ کہ ضعف غیر شدید ہو، چناں چہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو، جو کذاب یا متہم بالکذب، یا فاحش الغلط ہو، خارج ہوگی۔

۲- اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو، چناں چہ وہ مضمون خارج از عمل ہوگا، جو محض اختراعی ہو، اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو، (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ ور اور بالغ نظر فقہا ہی کرسکتے ہیں، ہر کسی کے بس کی بات نہیں)۔

۳- اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے، مبادا آں حضرت ﷺ کی جانب ایک بات جو واقع میں آپ نے نہ فرمائی ہو، اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

۴- مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے، وہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو، پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کا فرق

واضح رہے کہ اہل علم ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کے مواقع کو بیان کرتے ہوئے اپنی عبارتوں میں "فضائل اعمال" اور "ترغیب و ترہیب" دو لفظوں کا استعمال کرتے ہیں، فضائل اعمال کا اطلاق ایسے موقعوں پر کرتے ہیں، جہاں کوئی مخصوص عمل پہلے سے کسی نص صحیح یا حسن سے ثابت ہونے کی بجائے کسی ضعیف حدیث میں اس عمل کا ذکر اور اس کی فضیلت آئی ہو اور علمائے امت اور فقہائے کرام اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں، مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ، مثلاً: مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا، قبر میں مٹی ڈالتے وقت مخصوص دعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے (جیسا کہ گذرا) اور جیسے اذان میں ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر کلمات اذان ادا کرنا) اور اقامت میں حدر (روانی سے ادا کرنا) مستحب ہے، ترمذی کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبد المنعم بن نعیم کے طریق سے روایت کرکے کہتے ہیں: "هذا إسناد مجهول" اور عبد المنعم کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جارہی ہیں۔

اور "ترغیب و ترہیب" کا اطلاق ایسے مواقع میں کرتے ہیں، جہاں کہ وہ مخصوص عمل کسی نص قرآنی، حدیث صحیح یا حسن سے ثابت ہو اور کسی حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو، چناں چہ اس مخصوص وعدہ اور وعید کو بیان کرنے کے لیے ضعیف سے ضعیف حدیث کو مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر بھی بیان کرنا جائز قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ اس میں اس حدیث سے کسی طرح کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور فضائل میں جو استحباب ثابت ہوتا ہے، وہ بربنائے احتیاط ہے اور بعض شوافع کے نزدیک تو استحباب حقیقۃً حکم اصطلاحی ہی نہیں ہے؛ اس لیے کوئی اشکال نہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ (۱/۳۳-۳۴) میں فرماتے ہیں:

"وأما النوع الثاني من الأخبار؛ فهي أحاديث اتفق أهل العلم بالحديث على ضعف مخرجها، و هذا النوع على ضربين: ضرب رواه من كان معروفاً بوضع الحديث و الكذب فيه، فهذا الضرب لا يكون مستعملاً في شيء من أمور الدين إلا على وجه التليين...

و ضرب لا يكون راويه متهماً بالوضع غير أنه عرف بسوء الحفظ و كثرة الغلط في رواياته، أو يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته و شرائط قبول خبره ما يوجب القبول، فهذا الضرب من الأحاديث لا يكون مستعملاً في الأحكام، و قد يُستعمَل في الدعوات، و الترغيب و الترهيب، و التفسير، و المغازي فيما لا يتعلق به حكم" انتهى.

اور ترغیب و ترہیب کے لیے مذکورہ نرمی محدثین کے طرز عمل سے ظاہر ہے، جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

یہ فرق مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی مترشح ہوتا ہے:

فإن عبارة النووي، و ابن الهمام، و غيرهما منادية بأعلى النداء بكون المراد بقبول الحديث الضعيف في فضائل الأعمال هو ثبوت الاستحباب و نحوِه به؛ لا مجرد ثبوت فضيلة لعملٍ ثابتٍ بدليل آخر، و يوافقه صنيع جمع من الفقهاء و المحدثين حيث يثبتون استحباب الأعمال – التي لم تثبت – بالأحاديث الضعيفة، و أيضاً لو كان المراد ما ذكره – (يعني الخفاجي من أن المراد بقبول الضعيف في الفضائل هو مجرد ثبوت فضيلة لعمل ثابت) – لَما كان لقولهم: "يُقبَل الضعيف في فضائل الأعمال، و في المناقب، و في الترغيب و الترهيب" فائدة يُعتدّ بها.

ضعیف یا موضوع حدیثوں کی پذیرائی کس کس نے کی؟

جیسا کہ گذر چکا کہ بطور متن لائی گئی حدیثوں میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کوئی ایسی حدیث اپنی دانست کے مطابق ذکر نہیں کی جو موضوع ہو، چناں چہ جس کسی حدیث کے متعلق کسی نے وضع کی بات کی ہوتی ہے اور شیخ اس کے طرق اور مؤیدات و شواہد کی بناء پر مطمئن ہوتے ہیں تو ان طرق و شواہد کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں۔

البتہ شرح میں تائید و توضیح کے طور پر امام غزالی کی احیاء العلوم، فقیہ ابو اللیث کی تنبیہ الغافلین اور قرۃ العیون جیسی کتابوں سے بکثرت لیتے ہیں، اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں ذرا بھی تامل نہیں کہ ان کتابوں میں انتہائی ضعیف، موضوع و بے اصل روایات کی تعداد خاصی ہے، چناں چہ "مجموعۂ فضائل اعمال" میں بھی اس طرح کی روایات کا در آنا بعید نہیں، اس کے باوجود ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے اس کتاب کی معتبریت اور حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، آخر کیوں؟

اس لیے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمۂ جرح و تعدیل اور نقادِ حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح و تعدیل اور حدیثوں میں ثابت و غیر ثابت، صحیح و غیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں، تو ان کا انداز تحقیق اور لب و لہجہ اور ہوتا ہے اور جب اخلاق، آداب، فضائل یا ترغیب و ترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، تو اتنا نرم پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تک کو بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر، ابن تیمیہ اور ابن قیم ہیں، جن پر فن نقد و درایت کو بجا طور پر ناز ہے اور مجموعی طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب و ترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے جس کو آج کے مدعیانِ علم و تحقیق نہ جانے کس مصلحت سے نظر انداز کررہے ہیں؟

امام بخاریؒ سمیت جمہور محدثین و فقہا کا ضعیف حدیث کے ساتھ نرم پہلو اختیار کرنے کا معاملہ تو معلوم ہو ہی چکا، اس کے علاوہ کچھ نامور ناقدین حدیث اور مشہور مصنفین کا ان کی کتابوں میں طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔

۱- حافظ ابن جوزیؒ

حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزیؒ نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تاکہ واعظین اور عام مسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں، نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں متشدد بھی مانے جاتے ہیں، دوسری طرف اپنی پند و موعظت اور اخلاق و آداب کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں، جو ضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں، مثلاً دیکھیے ان کی یہ کتابیں: "ذمُّ الهوىٰ"، "تلبيس

ابلیس"، "رؤوس القواریر" اور "التبصرة" جس کی تلخیص شیخ ابوبکر احسائی نے "قرۃ العیون المبصرة بتلخیص کتاب التبصرة" میں کی ہے۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہؒ نے "الرد علی البکری" (ص:۱۹) میں ابونعیمؒ، خطیبؒ، ابن عساکرؒ، ابن جوزیؒ، اور ابن ناصرؒ سب کے متعلق مشترکہ طور پر کہی ہے، حافظ سخاویؒ نے شرح الالفیہ میں لکھا:

"وقد أكثر ابن الجوزي في تصانيفه الوعظية فما أشبهها من إيراد الموضوع وشبهه"۔

۲- حافظ منذری

حافظ منذری کی الترغیب والترہیب کے نہج اور اس کے متعلق حافظ سیوطیؒ کی رائے گزر چکی اور ضمناً یہ بات بھی آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کذاب یا متہم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغۂ تمریض "رُوِیَ" سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی ترغیب منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو صیغۂ تمریض ہی سے کرتے ہیں)، حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر وماخذ کے ذکر سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں:

"واستوعبت جميع ما في كتاب أبي القاسم الأصفهاني مما لم يكن في الكتب المذكورة، وهو قليل، و أضربت عن ذكر ما قيل فيه من الأحاديث المتحققة الوضع"

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب وترہیب (جس میں انھوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں، جو مذکورہ کتب میں نہیں آسکیں اور ان کی تعداد تھوڑی ہے اور ان حدیثوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا متہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے، تبھی تو منذریؒ نے ایسی روایات کو منتخب کر لیا، جو ان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں اور ان کی سند میں ایسے رجال ہیں جو کذاب اور متہم کہے گئے ہیں۔

۳- حافظ نووی

علامہ نووی شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کتانی نے (الرحمۃ المرسلۃ ص:۱۵) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے: "إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف الشيخ محي الدين النووي فاروه مطمئنين" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے۔ اور ضعیف حدیثیں تو اس میں شک نہیں کہ ان کی کتاب "الاذکار" میں ان کی تعداد خاصی ہے جس سے معذرت کے طور پر مقدمہ میں انھیں یہ حقیقت واشگاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اور ترغیب وترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسا کہ گزرا۔

بلکہ "ریاض الصالحین" جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انھوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے، اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں، شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں، مثلاً:

(۱) "الكيس من دان نفسه .. إلخ" اس کی سند میں ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی مریم ہے، جو بہت ہی ضعیف ہے۔ (فیض القدیر ۶۸/۵)

(۲) "ما أكرم شاب شيخاً إلا قيض الله له من يكرمه عند كبر سنه" اس کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں؛ کیوں کہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقیلی اور اس کا شیخ ابوالرحال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر ۴۲۵/۵، تہذیب التہذیب وغیرہ)

(۳) "لا تشربوا واحداً كشرب البعير" اس کی سند میں یزید بن سنان ابوفروہ الرہاوی ضعیف ہیں، ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے، بعض نسخوں میں "حسن" ہے اور بعض میں "غریب" واضح رہے کہ امام ترمذی تنہا لفظ "غریب" اس جگہ لاتے ہیں، جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہوتا ہے، حافظ نے فتح (۸۱/۱۰) میں فرمایا: سنده ضعيف.

۴- حافظ ذہبی

حافظ ذہبی جن کی فن جرح وتعدیل میں شانِ امامت مسلم ہے، ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ دارانہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چناں چہ تلخیص المستدرک، میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پر ان کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیے گئے ہیں، بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے، انھوں نے بھی اپنی "كتاب الكبائر" میں ضعیف، واہی، بلکہ موضوع تک کو بطور استشہاد پیش کیا ہے، شاید ان کا بھی مذہب اس سلسلہ میں ان کے پیش رو حافظ ابن الجوزی جیسا ہے، مثلاً:

۱- کبیرہ گناہ "ترک صلاۃ" کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے، جو شیخ کی کتاب "فضائل نماز" ص:۲۸ تا ۳۱ میں درج ہے، جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالیٰ پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں، اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقہ سے عذاب دیتے ہیں، پانچ طرح دنیا میں، تین طرح موت کے وقت، تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد، شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر مکی ہیثمی کی "الزواجر" کے حوالہ سے نقل کی ہے، جس کی ابتدا "قال بعضهم: ورد في الحديث" سے کی ہے، مزید اس کے چند ایک حوالے اور مؤیدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل اللآلی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ابوہریرہؓ کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے، میزان الاعتدال میں ہے: "هذا حديث باطل، ركّبه علي بن عباس على أبي بكر بن زياد النيسابوري..." پھر امام غزالیؒ اور صاحب منبہات کے حوالہ سے بھی اس مضمون کو مؤید کیا، الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث بے اصل نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کے لیے پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن تعجب حافظ ذہبیؒ پر ہے کہ خود میزان میں اس کے باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں اور "كتاب الكبائر" میں "قد ورد في الحديث" کے صیغۂ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کتنی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

۲- اسی کتاب کے ص:۴۴ پر کبیرہ گناہ "عقوق الوالدین" کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں: "لو علم الله شيئاً أدنى من الأف لنهى عنه، فليعمل العاق ما شاء أن يعمل، فلن يدخل الجنة، وليعمل البار ما شاء أن يعمل، فلن يدخل النار" اس حدیث کو دیلمی نے اصرم بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علیؓ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس اصرم کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان (۲۶/۱) میں فرماتے ہیں: "قال يحيى فيه: كذاب خبيث، وقال ابن حبان: كان يضع الحديث على الثقات" اس میں شبہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں منفرد ہے، جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قابل ذکر نہیں ہے اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

۳- کبیرہ گناہ شرب خمر کے تحت دو ایسی حدیثیں نقل کی ہیں، جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے، ایک صفحہ ۸۹ پر حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے، جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، دوسری صفحہ ۹۱ پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے بموجب شرابی کو سلام کرنا، اس کے جنازہ میں شرکت وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ کی ہی دوسری کتاب "العلو للعلي الغفار" ہے، اس میں بھی کافی حد تک تساہل پایا جاتا ہے؛ لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبیؒ نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں، اب یہ لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔

۵- حافظ ابن حجرؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، اور احادیث ورواۃ کے مراتب کی شناخت وتعیین میں سند ہیں، یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے، البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت ہی محتاط ہیں، محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغير على الأحاديث الموضوعة في الجامع الصغير" کے صفحہ ۷ میں حدیث: "آفة الدين ثلاثة: فقيه فاجر، وإمام جائر، ومجتهد جاهل" (جو مسند فردوس کے حوالہ سے ابن عباسؓ کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قال الحافظ في زهر الفردوس: فيه ضعف وانقطاع. قلت (الغماري): بل فيه كذاب وضاع، وهو نهشل بن سعيد، فالحديث موضوع، والحافظ وشيخه العراقي متساهلان في الحكم للحديث، ولا يكادان يصرحان بوضع حديث إلا إذا كان كالشمس في رابعة النهار (كما في التعليقات على الأجوبة الفاضلة)۔

یعنی محدث احمد بن الصدیق الغماری کے بقول حافظ ابن حجر اور ان کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے، جب تک علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیتے، اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کر لیا تو اس قدر واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے؟

۶- حافظ سیوطی:

حافظ ابوبکر سیوطی تو اس میدان کے مرد اور ضعاف وموضوعات کی پذیرائی میں ضرب المثل ہیں، انھوں نے اپنی کتاب الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا: "وصنتُه عما تفرد به وضاع او كذاب" اس کی شرح میں حافظ عبد الرؤف المناوی لکھتے ہیں:

"إن ما ذكره من صونه عن ذلك أغلبي، أو ادعائي، وإلا فكثيراً ما وقع له أنه لم يصرف إلى النقد الاهتمام، فسقط فيما التزم الصون عنه في هذا المقام كما ستراه موضّحا في مواضعه، لكن العصمة لغير الأنبياء متعذرة، والغفلة على البشر شاملة منتشرة، والكتاب مع ذلك من أشرف الكتب مرتبةً وأسماها منقبة"۔ (فیض القدیر ۲۱/۱)

یعنی حافظ سیوطی کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے، جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضاع منفرد ہو، یہ دعویٰ یا تو اکثری ہے یا دعویٰ محض ہے، کیوں کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں آپ نے صحیح طور پر پرکھا نہیں، چناں چہ جس سے محفوظ رکھنے کا التزام کیا تھا، وہ نادانستہ طور سے کتاب میں در آیا، جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا، بہر حال معصوم نبی کے علاوہ کوئی نہیں، بھول چوک انسانی خاصہ ہے، اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیات کی حامل ہے۔

محدث احمد بن الصدیق الغماری اپنی کتاب "المغير على الاحاديث الموضوعة في الجامع الصغير" میں لکھتے ہیں:

"بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطیؒ نے ذکر کی ہیں، ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں، جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انھوں نے لگایا ہے یا تو اپنی لآلی میں ابن جوزی کی موافقت کر کے یا خود ذیل اللآلی میں بطور استدراک ذکر کر کے"۔

شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعیین کی ہے، جن کے وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل اللآلی میں وضع کا حکم لگایا ہے۔ حافظ سیوطی کے تساہل پر بصیرت افروز کلام کے لیے دیکھئے: (تعليقات على الاجوبة الفاضلة للشيخ ابو غدة ص:۱۲۶ تا ۱۳۰)

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہ بھی ہوتا ہے، تو مؤیدات وشواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں، تو کیا اس بنا پر "مجموعۂ فضائل اعمال" حافظ سیوطی کی کتاب سے اگر فائق نہیں، تو اس کے برابر بھی نہیں قرار دیا جا سکتا؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تبصرہ منطبق ہوتا ہے، جو مناوی نے جامع صغیر پر کیا۔

۷- حافظ ابن قیم الجوزیۃ

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متشدد مانے جاتے ہیں، ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے، اس دعویٰ کا ثبوت ان کی کتاب "المنار المنيف في الصحيح والضعيف" جس میں انھوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ نقد حدیث میں ان کی حیثیت مرجع وسند ہے۔

لیکن ان کا بھی حال یہ ہے کہ اپنی بعض تصنیفات مثلاً مدارج السالکین، زاد المعاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تبصرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں، خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوتی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، مثلاً: زاد المعاد (۵۴/۳-۵۷) میں وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "ثم... تلبثون ما لبثتم، ثم تُبعث الصائحة، فلعمرو إلهك ما تدع على ظهرها شيئاً إلا مات، تلبثون ما لبثتم، ثم يتوفى نبيكم، والملائكة الذين مع ربك، فأصبح ربك عز وجلّ يطوف في الأرض، وخلت عليه البلاد..."

اس حدیث کو ثابت وصحیح قرار دینے میں ابن قیم نے پورا زور صرف کیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

"هذا حديث جليل كبير تنادي جلالته، وفخامته، وعظمته على أنه قد خرج من مشكاة النبوة، لا يعرف إلا من حديث عبد الرحمن بن المغيرة المدني"

پھر عبد الرحمٰن بن مغیرۃ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لمبا کلام کیا، حالاں کہ خود ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھا کہ: "هذا حديث غريب جداً، وألفاظه في بعضها نكارة" یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے، اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عاصم بن لقیط بن عامر بن المنتفق العقیلی کے ترجمہ میں لکھا کہ "وهو حديث غريب جداً"، جب کہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کر ڈالا ہے: "ولا ينكر هذا القول إلا جاحد، أو جاهل، أو مخالف للكتاب والسنة"۔

یہ چند نمونے ہیں جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کیے گئے، ان سے ضعیف حدیث کے متعلق امت کا مجموعی طرز عمل معلوم ہو گیا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ بطور عمل متوارث حدیث ضعیف کا احترام ہوتا چلا آیا ہے، اس کے خلاف کوئی موقف "اتباع غیر سبیل المومنین" (جماعت مسلمین کے راستہ کو چھوڑنے کے مرادف) ہے، خاص کر فضائل وغیرہ کے باب میں ضعیف حدیث کو بیان کرنا یا کسی کتاب میں شامل کرنا جرم نہیں ہے، ایسا کرنے والوں کی یہ ایک لمبی قطار ہے، ہم تو ان حضرات پر مکمل اعتماد کرتے ہیں، جو کچھ دینی وعلمی ورثہ ہم تک پہنچا وہ اسی قدسی صفت جماعت کا احسان ہے، البتہ جن لوگوں کو ان کے طرز عمل پر اعتراض ہے وہ جانیں کہ یہ لوگ مجرم ہیں یا نہیں؟

شیخ نے بجا طور پر کہا اور کیا خوب کہا:

"اگر ان سب اکابر کی یہ ساری کتابیں غلط ہیں، تو پھر فضائل حج کے غلط ہونے کا اس ناکارہ کو بھی قلق نہیں"

(کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص:۱۸۲)

تیسرا نکتہ

بعض ناقدین نے مجموعۂ فضائل اعمال میں کثرت سے قصص وحکایات نقل کرنے پر تنقید کی ہے، اور بعض قصص کے وقوع کا انکار کرتے ہوئے انھیں خرافات کا پلندہ اور دین سوز حکایات قرار دیا ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جتنے واقعات شیخ نے نقل کیے ہیں، سب صحیح ہی ہیں اور نہ شیخ کو ان حکایات کی صداقت منوانی منظور ہے؛ بلکہ ان قصوں کے داخل کتاب کرنے کا مقصد عبرت پذیری اور سبق آموزی میں اضافہ کرنا ہے اور یہ کوئی عیب نہیں، بلکہ مزاج شریعت کے عین موافق ہے، بشرطے کہ دین وعقیدہ کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ سچے واقعات کا عبرت پذیری اور تہذیب نفس میں خاصا دخل ہوتا ہے، انسانی طبیعت کسی واقعہ کے تناظر میں پیدا شدہ نتائج سے جس قدر متاثر ہوتی ہے، معروضی انداز کی پند وموعظت سے اتنی متاثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عبرت پذیری کے لیے جا بجا قصص بیان کیے گئے ہیں، "لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب" (یوسف:۱۱۱) اور آں حضرت ﷺ کو اس مقصد کی خاطر قصہ بیان کرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے، "فاقصص القصص لعلهم يتفكرون" چناں چہ آپ ﷺ نے بعض تعلیمات کو ذہن نشین کرانے اور عبرت پذیری کی خاطر پچھلوں کے واقعات وقصص بیان بھی فرمائے، جو دواوین حدیث اور کتب تاریخ میں محفوظ ہیں، بعض مصنفین کتب حدیث نے اپنی مصنفات وجوامع میں کتاب الامثال، کتاب القصص وغیرہ کے مستقل عنوان بھی رکھے۔

چوں کہ ان قصوں کے بیان سے تحریم وتحلیل کا مفسدہ لازم نہیں آتا؛ اس لیے آپ ﷺ نے شریعت مصطفویہ پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دینے کی شرط کے ساتھ بنی اسرائیل کے قصے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے: "حدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج، ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"۔ (مسند احمد ۵۶/۳، صحیح ابن حبان ۱۴۷/۱۴)۔

ظاہر ہے جن قصوں کے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے ضروری نہیں کہ وہ پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوئے ہوں، اور اگر ثابت بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اسی تفصیل کے ساتھ ہوں جس تفصیل سے بیان کیے جا رہے ہیں، بلکہ جو قصے خود آں حضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، ان میں بھی مرکز توجہ ان کے وہ حصے ہیں، جو مبنی بر موعظت وعبرت ہیں۔

ایک مثال

مثال کے طور پر حدیث ام زرع جو صحیحین کے علاوہ حدیث کی امہات کتب میں صحیح سندوں سے منقول ہے، یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ جن گیارہ عورتوں کی بات نقل کی گئی ہے ان کے نام ونسب کیا ہیں؟ پھر کون سی بات کس عورت نے کہی؟ یہ سب غیر معلوم ہے، پھر قصہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا یا حضرت عائشہ ام المومنین یا صحابہ میں سے کسی اور نے؟ اس سلسلہ میں شراح حدیث کا اختلاف ہے، نیز پورے قصہ کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں پر جو کچھ تبصرے کیے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ بخاری شریف پڑھنے والا طالب علم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرپاتا ہے؛ لیکن چوں کہ قصہ کا مقصد اصلاً درس عبرت ہے؛ اس لیے کوئی بھی عاقل یہ کہنے کی جسارت نہیں کرے گا کہ امام بخاری نے حیا سوز قصے صحیح بخاری میں بھر دیے یا نعوذ باللہ حدیث میں حیا سوز قصے بیان کیے گئے، اگر کوئی کہتا ہے تو یہ اس کے خبث باطن کی عکاسی کرتا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ مواعظ وقصص میں کافی حد تک تساہل ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو قصے وحکایات نقل کیے ہیں، وہ پچھلی کتابوں سے ماخوذ ہیں؛ اس لیے اولاً تو ان کے متعلق یہ مطالبہ کہ وہ صحت کے اعتبار سے بالکل کھرے ہونے چاہئیں، بے جا مطالبہ ہے؛ ثانیاً حوالہ دینے کے بعد ناقل اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے۔

محیر العقول قصے

رہی بات بعض ان قصوں کی جن کا تعلق خرق عادت امور کے ظہور ووقوع سے ہے، مثلاً سید احمد رفاعی کبیر کے قصہ میں روضۂ اقدس سے دست مبارک برآمد ہونے کا معاملہ تو اس طرح کے واقعات میں واقعی طالب حق کے لیے استبعاد کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خرق عادت امور کو وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے ہیں، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمودار ہونے والا دست مبارک حقیقی ہو، بلکہ وہ مثالی بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں زمین کے مختلف خطوں میں مردے دفن ہوتے ہیں، اور وہاں ان کو آں حضرت ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے، وہ حقیقی بھی ہو سکتی ہے اور مثالی بھی۔

کتاب سے متعلق اس طرح کے اشکالات متعدد حضرات کو پیش آئے، انھوں نے شیخ سے رجوع کیا تو شیخ نے خطوط کے ذریعہ ان کے محققانہ وتشفی بخش جواب دیے، ان خطوط میں بعض بہت مدلل، پر مغز اور متعلقہ مسئلہ میں نادر وٹھوس معلومات کا ذخیرہ ہیں، یہ خطوط حضرت شیخ کے نواسے اور ان کے علمی نوادرات کے امین مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے مستقل طور سے (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات) کے نام سے طبع کرا دیے ہیں، مجموعۂ فضائل کے ہر ایسے قاری کو ہم مذکورہ کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کا مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں جس کو دوران مطالعہ کچھ الجھنیں پیش آتی ہیں، ان شاء اللہ کہیں نہ کہیں اس کے اشکال کا حل مل جائے گا۔

والله يهدي من يشاء إلىٰ صراط مستقيم.

ضمیمہ

(از: مجالس حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی مدظلہ پاکستان)

کراچی کے سفر میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، جو اپنا نام مرزا وحید بیگ بتا رہے تھے، وہ اصل میں پنجابی ہیں، مگر عرصۂ دراز سے امریکہ میں مقیم ہیں، انھوں نے اپنی سرگزشت یوں بیان فرمائی کہ:

میں یہاں سے ایف، اے کر کے امریکہ گیا تھا، ایک سال اس حال میں گزرا کہ وہاں عیدین کے علاوہ چند اور نمازیں میں نے پڑھیں، آخر عید کی نماز میں دو تین ساتھیوں سے ملاقات ہوئی، جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے میرا ایڈریس نوٹ کیا اور مجھ سے رابطہ رکھا۔

زندگی میں تبدیلی

ان حضرات کی صورت اور سیرت شریعت محمدیہ ﷺ کی ترجمان تھی، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مجھے بھی اسلامی زندگی کا احساس ہوا، میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا شروع کر دیا، مجھے ایک عجیب ذہنی سکون اور قلبی راحت محسوس ہوئی، اور الحمد للہ میں نماز، روزے کا پابند بن گیا، حرام وحلال کا امتیاز کرنے لگا، اپنے وقت اور مال سے کچھ حصہ دین سیکھنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لیے وقف کر دیا، بیوی وبچوں، دوست واحباب؛ سب پر محنت کی اور ایک پرسکون دینی ماحول بن گیا اور میری زندگی کے پورے چار سال اسی طرح گذرے، میں نے اور میری بیوی نے گزشتہ زندگی کی نمازوں کو قضا کیا، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہوئی تھیں، شرعی مسائل پوچھ کر ان کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت اور توبہ کا شغل اختیار کیا، فضائلِ اعمال، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور مستقل خریدے اور ان کی تعلیم وعمل میں کوشش کی۔

نیا موڑ

چار سال کے بعد ایک عید کے موقع پر ہی دو تین نوجوانوں نے مجھے آگھیرا، بڑی گرم جوشی سے ملاقات ہوئی، انھوں نے میرے دینی جذبات اور کوششوں کی تعریف کی، اگرچہ ان نوجوانوں کے چہرہ پر نہ شرعی ڈاڑھی تھی، نہ ان کا لباس شرعی انداز کا تھا؛ لیکن وہ دین سے لگاؤ اور محبت کا ذکر اس جوش سے کرتے تھے کہ ان کا گرویدہ ہو گیا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو گیا، اسی نیت سے کہ ان کے جذبہ کی قدر کر کے ان کو شرعی صورت وسیرت اور شرعی لباس اور احکام پر آسانی سے آمادہ کیا جا سکتا ہے، میں ان کے ہاں گیا، ان کے پاس اسلامی کتابوں کی ایک لائبریری تھی، انھوں نے مجھے کہا کہ آپ لوگوں کا دین انڈیا سے آیا ہے اور ہمارا مکہ مدینہ سے، اور یہ کہتے ہوئے ایک کتاب "صلاۃ الرسول ﷺ" مصنفہ مولانا صادق سیالکوٹی مجھے دی کہ اگر مکہ مدینہ کا دین ماننا ہے؛ تو یہ کتاب پڑھو، میں نے یہ کہتے ہوئے کتاب لے لی کہ یہ کتاب تو سیال کوٹ کی ہے، نہ مکہ مدینہ کی، انھوں نے کہا کہ: یہ اگرچہ سیال کوٹ میں لکھی گئی؛ مگر باتیں مکہ مدینہ کی ہیں۔

پہلا فرق

میں نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فضائل اعمال میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات ہی ذکر فرمائے ہیں، بہت عجیب کتاب ہے، میری زندگی میں یہ تبدیلی اسی کتاب کی ہے کہ میں بے نمازی تھا نمازی بن گیا، جھوٹ بولتا تھا اس سے توبہ کی، حرام حلال کا خیال نہیں کرتا تھا، اب پوری کوشش کر کے حرام سے بچتا ہوں، میری زندگی اور سیرت میں جو اسلامی رنگ ہے، یہ اسی کتاب کی برکت ہے۔

انھوں نے فوراً میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں، شیخ الحدیث صاحب نے بہت سی باتیں بلا حوالہ نقل کر دی ہیں، انھوں نے مجھے کئی ایک مقامات دکھائے جہاں کوئی حوالہ نہ تھا اور پھر صلاۃ الرسول ﷺ دکھا کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو ہر بات باحوالہ ہے، دین ہمیشہ باحوالہ اور مستند ہونا چاہیے، نہ کہ بے حوالہ اور غیر مستند، اس بات سے میں ان کے سامنے لاجواب ہو گیا اور واقعی مجھے بہت بڑا دھچکا لگا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے بہت جگہ حوالے کیوں نہیں دیے؟ اس نے یہ بتاتے ہوئے مجھے کہا کہ آپ مجھے اس کا جواب دیں!

میں (مولانا اکاڑوی) نے کہا اس کا جواب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ خود دے چکے ہیں، فرماتے ہیں:

"اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے، وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوۃ، تنقیح الرواۃ، مرقاۃ، احیاء العلوم کی شرح اور منذری کی ترغیب وترہیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے؛ اس لیے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے"۔ (فضائل قرآن ص:۷)

اس نے اس عبارت کو تین دفعہ پڑھا اور کہنے لگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی بات واضح فرما دی؛ لیکن میں نے بھی پورا مطالعہ نہیں کیا تھا۔

پھر میں نے کہا کہ "صلاۃ الرسول ﷺ" میں بھی کئی باتیں بلا حوالہ درج ہیں، ص ۴۴۹ تا ص ۴۵۴ میں جو اذکار واعمال درج کیے ہیں، وہ سب بلا حوالہ ہیں؛ چناں چہ مولوی عبد الرؤف غیر مقلد "صلاۃ الرسول کلاں" کے حاشیہ پر آیتِ کریمہ کے عمل کا یوں مذاق اڑاتا ہے:

"کیا ایسا بہتر نہیں؟ کہ یہ وظیفہ آیت کریمہ کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے دریا یا سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ ہی کھنچ جائے؛ بلکہ یونس علیہ السلام والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے، اس طریق پر عمل کرنے سے ۴۱/روز انتظار کی ضرورت نہیں، بلکہ چند ہی گھنٹوں میں بفضلہ تعالیٰ سارے ہموم وغموم کے بادل چھٹ جائیں گے، کسی طرح کی بھی مشکل ومصیبت باقی نہ رہے گی، بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدی حاصل ہوگی، إنا لله وإنا إليه راجعون، مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیین میں کدھر سے گھس آئیں، باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ عزوجل کی ذات اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں؟ یہ طریقے کس آیتِ قرآنی اور کس حدیث نبوی سے ماخوذ ہیں"۔ (صلاۃ الرسول:۵۰۴)

غلط حوالے

وہ شخص تو یہ بے حوالہ باتیں اور ان پر تبصرہ پڑھ کر ہی حیران ہو رہا تھا کہ میں نے بتایا کہ: "صلاۃ الرسول" میں تو بہت سے حوالے بھی غلط ہیں، دیکھیے صلاۃ الرسول ص:۱۳۶ پر زیر عنوان "نماز کے لامثال محاسن" فضائل کی ۲۴/احادیث نقل کی ہیں، اور حوالہ صحاح ستہ کا دیا ہے؛ مگر ان میں سے ۱۴/احادیث ۱، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۰/کا نشان تک صحاح ستہ میں نہیں ہے۔

اسی طرح مولوی عبد الرؤف صاحب ہی لکھتے ہیں:

"بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ موصوف نے انھیں جن کتب کی طرف منسوب کیا ہے، ان کتب میں وہ نہیں پائی جاتیں، مثلاً: ص ۲۷۸، ۲۸۳، ۳۱۱، ۳۴۳، ۳۵۸، ۵۷۱، ۶۳۹، ۶۶۵، ۶۶۷، ۶۷۷، ۵۰۹، ۶۲۰ (صلاۃ الرسول محشی ص:۱۴)

یہ ۱۲/احادیث بھی ایسی ہیں، جن کے حوالے غلط ہیں، مثال کے طور پر یہ چھبیس غلط حوالے دیے ہیں، ورنہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، میں نے کہا اس چھوٹی سی کتاب میں غلط حوالوں کی اتنی بھرمار؟ اب تو مرزا وحید بیگ بھی دریائے حیرت میں غرق تھا، اور بار بار کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں؟

ضعیف احادیث

جناب وحید صاحب نے کہا کہ پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ اکثر باتیں تو شیخ الحدیث نے بلا حوالہ لکھیں اور جن کا حوالہ دیا ان میں سے بھی اکثر ضعیف، جھوٹی اور من گھڑت احادیث لکھ دیں؛ لیکن "صلاۃ الرسول" میں ایک بھی ضعیف حدیث نہیں ہے، وحید صاحب نے بتایا کہ ان کا یہ اعتراض تو واقعی بہت وزنی تھا، جس سے میں "فضائلِ اعمال" سے دل برداشتہ ہو گیا۔

میں نے کہا ان کا یہ اعتراض محدثین کے مسلّمہ اصول کے خلاف ہے؛ کیوں کہ محدثین کا اصول ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں ضعیف احادیث مقبول ہیں، خود حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے اس اصول کو بیان فرمایا، چناں چہ فضائل نماز کے آخر میں آخری گزارش کے تحت فرماتے ہیں:

"اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابلِ تسامح؛ باقی صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے"۔ (فضائل نماز ص:۹۶)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اگرچہ محدثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے؛ لیکن یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو، مبشرات اور منامات ہیں"۔ (فضائل درود ص:۵۶)

میں نے کہا کہ میں اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں، جس طرح سارے حساب کا خلاصہ دو ہی قاعدے ہیں جمع اور تفریق؛ حدیث کی سند کے راوی میں بھی بنیادی طور پر دو ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں "حفظ" اور "عدالت"۔ اس کا حافظہ اچھا ہو اور وہ نیکوکار ہو، فاسق فاجر نہ ہو، اگر راوی میں ضعف حفظ کی وجہ سے ہے، تو اس کو محدثین ضعفِ قریب کہتے ہیں؛ کیوں کہ متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے، وجہ یہی بتائی ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی، اسی سے محدثین نے یہ اصول بنا لیا کہ اگر ایک حدیث کی دو سندیں ہوں اور دونوں میں ایک راوی ایسا ہو کہ جس کا حافظہ کمزور ہو؛ تو دونوں سندیں مل کر وہ حدیث صحیح مانی جائے گی، اسی لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بہت جگہ یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ یہ مضمون بہت سی روایات میں آیا ہے؛ تاکہ معلوم ہو جائے کہ شواہد ومتابعات کی وجہ سے مقبول ہے، اب روایات کو رد کرنا گویا قرآنی اصول کا انکار کرنا ہے؛ تو اعتراض حضرت رحمہ اللہ کی بجائے قرآنِ پاک پر کرنا چاہیے۔

اور اگر راوی عادل نہ ہو تو اس کو ضعفِ شدید کہتے ہیں، اس لیے احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہوتی، مگر فضائل اور تاریخ میں سرے سے عدالت ہی شرط نہیں، رسولِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: "حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج" (بخاری ۱/۴۹۱، ترمذی ۲/۱۰۷) بنی اسرائیل سے روایت کرو، کوئی حرج نہیں، جب ترغیب وترہیب کے واقعات کافروں تک سے روایت کرنے کی اجازت ہے؛ تو یہ غیر عادل کیا یہود سے بھی بدتر ہیں؟ ہرگز نہیں، پھر یہاں بھی جب کی طریقوں سے روایت ہو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں، ہاں احکام میں ایسے راویوں کی روایت حجت نہیں، پس معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث نے جو روایات لی ہیں، وہ قرآن پاک، احادیث نبویہ، اور محدثین کے اصول کے عین مطابق لی ہیں، اور سب محدثین نے فضائل میں یہی طریق اختیار فرمایا ہے، امام نوویؒ مقدمۂ شرح مسلم (۱/۲۱) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فتاویٰ (۱/۶۵-۶۸) پر تصریح فرماتے ہیں کہ فضائل میں ضعاف مقبول ہیں۔

دوسرا رخ

میں نے کہا: آپ حیران ہوں گے کہ "صلاۃ الرسول" میں نہ صرف فضائل میں بلکہ احکام میں بھی ضعیف احادیث کی بھرتی کر دی گئی ہے، مولوی عبد الرؤف صاحب نے نمبر وار ۸۴/احادیث کی نشان دہی کی ہے، جو انتہائی ضعیف احادیث ہیں:

۶، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۲۲، ۳۴، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۶۶، ۷۳، ۸۵، ۸۸، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۸، ۳۶۳، ۳۸۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۸۵، ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۵، ۵۷۸، ۵۸۴، ۵۸۶، ۶۲۶، ۶۳۰، ۶۵۴، ۶۶۰، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۷۳، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۹، ۷۰۳۔

یہ تمام احادیث انتہائی ضعیف ہیں، اسی کو کہتے ہیں: "دیگراں رانصیحت، خود میاں فضیحت"، یہ کہہ کر تو جناب وحید صاحب بہت پریشان تھے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور"؟

شرک ہی شرک

پھر مجھے (وحید صاحب کو) انھوں نے بتایا کہ تبلیغی نصاب تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے، فضائل صدقات، فضائل درود اور فضائل حج میں ایسے واقعات ہیں، جو واقعۃً شرک کی تعلیم دیتے ہیں، کچھ دن تو میں پریشان رہا کہ یہ کتاب ساری دنیا میں پھیل چکی ہے، ہزاروں نہیں؛ لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں اس نے انقلاب برپا کر دیا ہے، سینکڑوں علما نے بھی اسے دیکھا ہے؛ مگر کسی مفتی، محدث، اور فقیہ کی نظر یہاں تک نہیں گئی جہاں تک ان کلرکوں کی پہنچ گئی ہے؛ مگر ان واقعات کی کوئی تاویل مجھے سمجھ میں نہ آتی تھی۔

آخر نہ صرف یہ کہ میں نے تبلیغی جماعت کو چھوڑ دیا، بلکہ ان کا سخت مخالف ہو گیا؛ کیوں کہ میرے علم کے مطابق یہ لوگ شرک کے مبلغ تھے اور ان کی نمازیں بھی غلط در غلط تھیں، اب میرے نزدیک نماز، روزے، حج اور جہاد سب سے بڑی نیکی تبلیغی جماعت کی مخالفت تھی، گھر میں، بازار میں، دفتر میں، مجالس میں، مساجد میں میرا یہی جہاد ہے کہ یہ جماعت توحید کی نہیں شرک کی داعی ہے، اور اسلام نہیں حنفیت کی پرچارک ہے، اگرچہ اب مجھ میں جماعت اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کا کوئی ذوق نہیں، حرام وحلال کی بھی زیادہ تفتیش باقی نہیں رہی؛ مگر توحید وسنت کا نشہ ہے جس کے بعد ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، اپنی نماز کا وہ اہتمام باقی نہ رہا؛ مگر دوسروں کو مشرک اور بے نمازی کہنے کا ذوق بہت بڑھ گیا ہے، اپنی اصلاح کی بھی خاص فکر نہیں رہی؛ کیوں کہ ان سب سے مقدم اس ساری دنیا کو شرک سے بچانا ہے جن کو "فضائل اعمال" کے مطالعہ نے مشرک بنا دیا ہے، اگرچہ دنیا میں مجھے اس میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ دو سال کی محنت شاقہ سے میں بمشکل دو کلرکوں کو تبلیغی جماعت سے کاٹ سکا ہوں؛ جب کہ ہزاروں نئے آدمی اس جماعت سے جڑ گئے ہیں؛ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کا امیدوار ہوں۔

کرامات

میں نے کہا جن واقعات کی طرف آپ اشارہ فرما رہے ہیں وہ کرامات ہیں، ان کو خرق عادت بھی کہتے ہیں، یعنی عادت یہ ہے کہ مرد عورت دونوں کے ملاپ

سے اولاد پیدا ہو، مگر خرقِ عادت یہ ہے بی بی مریم کو بغیر مسِ بشر کے بیٹا مل جائے، عادت یہی ہے کہ اونٹنی اونٹنی سے پیدا ہو اور خرقِ عادت یہ ہے کہ اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہو، عادت یہی ہے کہ سانپ سپنی کے انڈے سے نکلے اور خرقِ عادت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جائے، عادت یہی ہے کہ آپریشن یا دوا سے جھلّی دور ہو اور نابینا دیکھنے لگے اور خرقِ عادت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص اور عیسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگنے سے بینائی آ جائے، عادت یہی ہے کہ بیل بیلوں کی طرح آواز نکالے اور بھیڑیا بھیڑیوں کی طرح، مگر خرقِ عادت یہ ہے کہ بیل اور بھیڑیا انسانوں کی طرح کلام کرے، ان میں جو باتیں عادت ہیں ان میں کچھ انسان کا بھی اختیار ہوتا ہے؛ لیکن جو خرقِ عادت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظہور مخلوق کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

دیکھئے! قرآنِ پاک میں مسیح علیہ السلام کے معجزات مذکور ہیں، مسلمان بھی ان معجزات کو برحق مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے؛ مگر یہ سب قدرتِ خداوندی کا ظہور تھا، جب مسلمان ان کو قدرتِ الٰہی کا ظہور مانتے ہیں، تو ان کو ہر ہر معجزہ دلیلِ توحید نظر آتا ہے؛ لیکن عیسائی ان معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عادت اور ان کے اختیار سے مانتے ہیں، تو انھوں نے ایک ایک معجزہ کو دلیلِ شرک بنالیا، اب ان معجزات سے شرک کشید کر لینا اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا قصور تھا نہ عیسیٰ علیہ السلام کا، قصور تو عیسائی ذہنیت کا تھا، جس نے توحید کو شرک بنا ڈالا، بالکل اسی طرح ہم اہلِ سنت و جماعت جب کرامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کا کرشمہ یقین کرتے ہیں؛ اس لیے ہمیں ان کرامات میں توحید ہی توحید نظر آتی ہے اور آپ لوگ جب "تبلیغی نصاب" کا مطالعہ عیسائی ذہن سے کرتے ہیں، تو آپ کو وہ کرامات شرک نظر آتی ہیں، تو قصور نہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے ان بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے اپنی قدرت نمائی کیوں کی اور نہ ہی ان بزرگوں کا، قصور تو سارا اس عیسائی ذہنیت کا ہے، اگر آپ بھی اس عیسائی ذہنیت سے توبہ کر کے اسلامی ذہن سے مطالعہ کریں تو آپ کو توحید ہی توحید نظر آئے گی۔

یہ ہو ہی نہیں سکتا!

اب وحید صاحب بڑے غصہ میں تھے کہ ان واقعات میں تو ایسی باتیں ہیں جو ہو ہی نہیں سکتیں، بالکل ناممکن ہیں۔

میں نے پوچھا کس سے نہیں ہو سکتا؟ خالق سے یا مخلوق سے؟ اگر مخلوق سے نہیں ہو سکتا تو بالکل درست اور اس کو مخلوق کا فعل قرار دینا ہی تو عیسائی ذہنیت ہے، اور اگر کہو کہ خالق سے بھی نہیں ہو سکتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا انکار کرنا ہے، اگر آپ اس کے منکر ہیں اور خالق کی قوت اتنی ہی مانتے ہیں جتنی آپ کی ہے کہ جو آپ سے نہ ہو سکے وہ خدا سے بھی نہیں ہو سکتا تو اپنی توحید کی خیر منائیے اور توبہ کیجیے، اللہ والوں کی کرامات کا انکار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔

جھوٹ ہی جھوٹ

اس پر وحید صاحب نے کہا لوگ اپنے بزرگوں کے لیے غلط اور جھوٹے واقعات گھڑ لیتے ہیں، تو ان کا کیا اعتبار؟

میں نے کہا جھوٹ کہاں نہیں گھڑا گیا؟ لوگوں نے جھوٹے خدا بنائے، جھوٹے نبی بنائے، جھوٹی حدیثیں بنائیں، جعلی کرنسی بنائی، تو کیا صرف جھوٹے خداؤں کا ہی انکار کرو گے یا ساتھ ہی سچے کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹے نبیوں کا انکار کرو گے یا سچوں کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹی حدیثوں کا انکار کرو گے یا سچی احادیث کو بھی چھوڑ دو گے؟ صرف جعلی کرنسی سے بچو گے یا اصلی کرنسی بھی گلی میں پھینک دو گے؟ یہاں بھی جھوٹے واقعات کو ماننے کی آپ کو کس نے دعوت دی ہے اور سچے واقعات سے انکار کیوں ہے؟

عقل نہیں مانتی

وحید صاحب نے کہا ایسے واقعات کو کیسے مان لیا جائے؟ ان میں ایسی باتوں کا ذکر ہے جو انبیا اور صحابہ کے لیے بھی ظاہر نہیں ہوئیں، نبی اور صحابہ کا مقام تو ولی سے بہت بلند ہے، یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک خرقِ عادت نبی اور صحابی کے ہاتھ پر تو ظاہر نہ ہو اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے۔

میں نے کہا عجیب بات ہے، جہاں قیاس جائز ہو وہاں تو آپ اس کو شرک کہتے ہیں اور خرقِ عادت میں قیاس شروع کر دیا ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو خواب نظر آتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا کہ آتے ہیں، میں نے کہا بالکل وہی جو انبیا اور صحابہ کو آئے یا اور بھی؟ اس نے کہا یہاں انبیا اور صحابۂ کرام کا کیا ذکر؟ اللہ تعالیٰ جس کو جو خواب چاہیں دکھلا دیں، میں نے کہا بعض اوقات ایک چھوٹے بچے کو خواب نظر آتا ہے اور صبح بتاتا ہے کہ آج خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ نانا ابو آئے ہیں اور واقعتاً وہ آ بھی جاتے ہیں اور خواب سچا ہو جاتا ہے، مگر اس خواب کا کوئی یہ کہہ کر انکار نہیں کرتا کہ گھر کے بڑوں کو یہ خواب نہیں آیا تو ہم کیسے مان لیں کہ بچے کو خواب آ گیا؟

دیکھو! حضرت بی بی مریم ولیہ ہیں، ان کو بے موسم پھل مل رہے ہیں؛ مگر حضرت زکریا علیہ السلام جو نبی ہیں ان کو نہیں مل رہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خاوند کے ہوتے ہوئے لڑکی بھی نہیں دی اور بی بی مریم کو بغیر خاوند کے لڑکا عطا کر دیا، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنا دستِ مبارک روزانہ منہ پر پھیرتے ہیں مگر بینائی واپس نہیں آئی، حضرت یوسف علیہ السلام کی صرف قمیص لگنے سے بینائی واپس آ گئی، جو ہوا سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھائے پھرتی تھی اس ہوا کو یہ حکم نہیں ملا کہ سفرِ ہجرت میں آپ ﷺ کو ایک لمحہ میں مدینہ پہنچا دے، حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں؛ لیکن تختِ بلقیس کا آنا ان کے صحابی کی کرامت ہے۔

تو بھئی یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، وہ چاہیں تو ہزاروں میل دور بیت المقدس کا کشف ہو جائے، جنت دوزخ کا کشف ہو جائے اور نہ چاہیں تو چند میل سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غلط خبر آئے اور آپ بیعت لینا شروع فرما دیں، وہ نہ چاہے تو کنعان کے کنویں میں یوسف علیہ السلام کا یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چلے اور جب چاہیں تو مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو کنعان میں سونگھا دیں، میں نے کہا آپ جو ساری دنیا کو مشرک کہہ رہے ہیں، اس پر نظرِ ثانی کریں اور توبہ کریں۔

ایک تضاد

وحید صاحب نے کہا کہ "حکایاتِ صحابہؓ" میں شیخ الحدیث صاحبؒ نے یہ متضاد بات لکھ دی ہے، صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ "جب ہم بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی جو حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت میں ہوتی ہے، اس لیے مجھے نفاق کا ڈر ہے" اور صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت حنظلہؓ کی نئی شادی ہوئی تھی، وہ بلا غسل میدانِ جہاد میں تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے، تو ملائکہ نے انہیں غسل دیا" تو ان کے بچے تھے کہاں جن میں مشغولیت سے انھیں نفاق کا خوف ہوتا، ایسی متضاد باتوں کی وجہ سے ہی پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں، میں نے کہا الحمد للہ پڑھی لکھی دنیا اس کتاب کی برکات سے دین کی دلدادہ بن رہی ہے، ہاں ان پڑھ اور ضدی کا علاج کسی کے پاس نہیں، جس واقعہ میں حضرت حنظلہؓ نے نفاق کا ڈر ظاہر کیا ہے وہ حضرت حنظلہ بن الربیعؓ، کاتبِ رسول ﷺ ہیں اور جن حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا وہ حضرت حنظلہ بن مالکؓ ہیں، یہ تفصیل بحوالہ مرقاۃ حاشیہ مشکوۃ ص: ۱۹۷ – ج: ۶ پر ہے، جب وحید صاحب کو یہ دکھایا گیا تو وہ بہت پریشان ہوا اور توبہ کر رہا تھا کہ ہم تو اس اعتراض کو بہت اچھالتے ہیں اور کتنے لوگوں کو ہم نے پریشان کیا، یہ تو اب پتہ چلا کہ یہ ہماری کم علمی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے!

خون پینا

وحید صاحب نے کہا کہ خون کا حرام ہونا قرآن پاک کی قطعی نص سے ثابت ہے؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے دو صحابہ کرامؓ کے خون پینے کا واقعہ ذکر کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کو بھی علم ہوا اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی ناراضگی نہ فرمائی، بلکہ فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی، کیا اللہ کے نبی ﷺ قرآن کی مخالفت کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا کہ ان دو میں ایک واقعہ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والدِ محترم حضرت مالک بن سنانؓ کا ہے، اس کا ذکر حافظ بن حجرؒ نے (الاصابہ ج: ۳ – ص: ۳۴۶) اور ابن عبد البرؒ نے (الاستیعاب ج: ۳ – ص: ۳۷۰) پر کیا ہے، تو کیا آپ ان دونوں حفاظ کو بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ اعتراض میں شامل کریں گے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ حضرت مالک بن سنانؓ احد میں ہی آخر میں شہید ہو گئے (الاستیعاب: ۳۷۰/۳)، دیکھئے احد میں شہید ہونے والوں میں بعض وہ بھی تھے جنھوں نے شراب پی تھی؛ کیوں کہ ابھی شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا، تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ احد سے پہلے خون یعنی دمِ مسفوح کی حرمت نازل ہو چکی تھی؟ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر (۲۱۶/۲) پر فرماتے ہیں کہ دمِ مسفوح والی آیت حجۃ الوداع کے دن عرفہ میں نازل ہوئی، تو جب تک آپ کسی دلیلِ قطعی سے یہ ثابت نہ کریں کہ احد سے پہلے یہ حرمت نازل ہو چکی تھی، آپ کا اعتراض ہی باطل ہے۔

ہاں! نبی اقدس ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا واجبات میں سے ہے؛ اس لیے کسی صحابی کا شراب پینے کا ذکر پڑھ کر ہم فوراً یقین کر لیں گے کہ یہ حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے، کسی صحابی کے متعہ کی بات سن کر ہم فوراً کہیں گے، یہ یقیناً حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے، ایسے ہی خون پینے اور اس پر حضور ﷺ کے نہ ڈانٹنے سے یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ یہ حرمت سے قبل کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا ہے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ حضور ﷺ کے وصال کے وقت نو سال کے تھے، ان کا واقعہ بھی حافظ ابن حجرؒ نے (الاصابہ ۳۱۰/۲) میں نقل کیا ہے، تو کیا اس اعتراض میں حافظ ابن حجرؒ کو بھی شریک کیا جائے گا یا نہیں؟ انھوں نے بچپن میں یہ حرکت کی، تو اگر حرمت سے پہلے کی بات ہے تو اعتراض ہی نہیں اور بعد میں کی تو اس جملہ میں ڈانٹ موجود ہے: "جس کے بدن میں میرا خون جائے گا، اس کو آگ چھو نہیں سکتی، مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے، اور لوگوں کو تجھ سے"۔

وحید صاحب! اس قسم کے اعتراض کسی علمی بنیاد پر مبنی نہیں، محض ضد پر مبنی ہیں، دیکھو! حنفی کہتے ہیں کہ امام ناپاک ہو، غسل کیے بغیر نماز پڑھا دے، یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، مگر علامہ وحید الزماں ضد میں آ کر یہ لکھ گئے کہ: "امام جنابت یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں" (نزل الابرار ج: ۱ – ص: ۱۰۱)

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ کافر کے پیچھے مسلمان کی نماز نہیں ہوتی، مگر وحید الزماں صاحب کہتے ہیں: "ہو جاتی ہے" (نزل الابرار – ج: ۱ – ص: ۱۰۱)

فضلات

وحید صاحب نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے تو تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فضلات پیشاب، پاخانہ وغیرہ سب پاک ہیں۔

میں نے کہا فضلہ کا معنیٰ بچا ہوا پھوک ہے، معدہ کھانے کو پکاتا ہے، اس میں اصل قوت جگر کھینچ لیتا ہے اور پھوک پاخانہ بن کر نکل جاتا ہے، یہ معدہ کا فضلہ ہے، پھر جگر خون تیار کر کے دل کو دیتا ہے اور جو پھوک رہ جاتا ہے وہ پیشاب بن کر خارج ہو جاتا ہے، یہ جگر کا فضلہ ہے، پھر وہ خون ایک رگ کو اسٹیم مہیا کرتا ہے، اس خون سے جو فضلہ بچتا ہے وہ مسامات میں پسینے کی شکل میں خارج ہوتا ہے، پھر جو خون جزِ بدن اور گوشت بن گیا اس کا پھوک میل کچیل کی شکل میں مسامات کے ذریعہ نکلتا ہے؛ لیکن یہ تو صراحتاً ثابت ہے کہ عوام کے میل کچیل پر مکھی بیٹھتی ہے، مگر آں حضرت ﷺ کے جسدِ اطہر پر مکھی نہ بیٹھتی تھی اور یہ بھی متفق علیہ حقیقت ہے کہ عوام کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے، مگر آں حضرت ﷺ کا پسینۂ مبارک دنیا کی اعلیٰ ترین خوشبوؤں کو شرماتا تھا، آپ ﷺ کی نیند مبارک کو بھی نیند ہی کہا جاتا تھا، مگر وہ نیند ہماری ہزار بیداریوں سے اعلیٰ و ارفع تھی، آپ ﷺ کا خواب بھی وحی ہوتا تھا، آپ ﷺ کی نیند مبارک سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا، تو جیسے آپ ﷺ کا پسینہ مبارک پسینہ ہی کہلاتا ہے، مگر یہ کس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو عام انسانوں جیسا سمجھا جائے، وہ آپ ﷺ کے لیے پسینہ ہی تھا، مگر عشاق کے لیے بہترین خوشبو، بادام روغن نکالنے کے بعد جو بادام کا فضلہ بچتا ہے، وہ بادام کا تو فضلہ ہی ہے؛ مگر بنولہ کہے کہ میرے فضلہ جیسا ہے تو کوئی عقل مند اس کو تسلیم نہیں کرے گا۔

آں حضرت ﷺ بے شک انسان تھے؛ لیکن آپ کو جن خصائص سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا، ان خصائص کا انکار کیوں کیا جائے؟ یاقوت بھی پتھر، حجرِ اسود بھی ایک پتھر ہے؛ مگر یاقوت اس کا مقابلہ کہاں کر سکتا ہے؟ حجرِ اسود جنت سے آیا ہوا ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مقدسہ و مطہرہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے خواص رکھ دیے ہیں؛ اس لیے ان اجسامِ مطہرہ کا پسینہ مثل جنت کے پسینے کے خوشبودار بنا دیا گیا، اسی طرح دوسرے فضلات بھی اگر خصوصیتِ طہارت رکھتے ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

نتیجہ کیا ہوا؟

وحید صاحب میری یہ ساری باتیں ٹیپ کر کے لے گئے، دو دن بعد آئے اور کہنے لگے کہ جس طرح مطلوبہ حدیثیں (یعنی ایک ایسی حدیث جو امام کے پیچھے ۱۱۳ سورتوں کے پڑھنے کی حرمت اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کو بتلاتی ہو اور ایک ایسی حدیث جو نماز میں دس جگہ رفعِ یدین کرنے اور اٹھارہ جگہ نہ کرنے کا حکم دیتی ہو، بشرطے کہ ان حدیثوں کو اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے صحیح بتایا ہو کہ اللہ و رسول کے علاوہ کی بات حجت نہیں، ان حدیثوں کو پیش کیے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا فی حدیث ایک کروڑ روپے انعام کے وعدہ کے ساتھ) وہ لوگ نہیں پیش کر سکے، اسی طرح "حقیقۃ الفقہ" والے نے جو غلط حوالے ہدایہ کے دیے ہیں، وہ بھی عربی ہدایہ سے نہیں دکھا سکے اور "صلاۃ الرسول" کے غلط حوالے بھی صحاح ستہ سے نہیں دکھا سکے، نہ ہی "صلاۃ الرسول" والے فضائل تو کجا احکام میں ضعیف احادیث پیش کرنے کا کوئی جواب رکھتے ہیں۔

اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس فرقہ کا کوئی اصول نہیں، اس کی بنیاد صرف اور صرف اہلِ سنت و جماعت کی ضد پر ہے، آپ نے جو مسائل ان کے بتائے وہ ضد کا واضح ثبوت ہی ہیں۔ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جن کی صورت اور سیرت سے پیغمبر ﷺ کی سنتیں نمایاں تھیں، جو خوفِ خدا کی دولت سے مالا مال تھے، جو حرام و حلال کا امتیاز کرتے تھے، جن کا دن رات اس فکر میں گزرتا تھا کہ نبی پاک ﷺ کے طریقے کس طرح دنیا میں جاری ہو جائیں، میں ان چھوکروں کے پیچھے لگ گیا جن کے پلّے میں بجز اہلِ اسلام پر بد زبانی کرنے اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلانے اور مسلمانوں کو اکابرِ اہلِ اسلام سے متنفر کرنے کے کوئی کام نہیں ہے۔

اب میں تہِ دل سے توبہ کرتا ہوں کہ الحمد للہ مسلکِ حقہ اہلِ سنت و جماعت حنفی پر ہی قائم رہوں گا اور اس کے خلاف وسوسے پھیلانے والوں سے خود بھی خبردار رہوں گا اور دوسروں کو بھی خبردار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حق پر استقامت نصیب فرمائیں اور دین میں وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے محفوظ فرمائیں! آمین یا ربَّ العالمین۔